کلام اُردو و فارسی

پنڈت زندہ کول "ماسٹرجی"

مؤلفہ و مرتبہ

ارجن ناتھ رینہ

قیمت

پانچ روپے

(مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ)
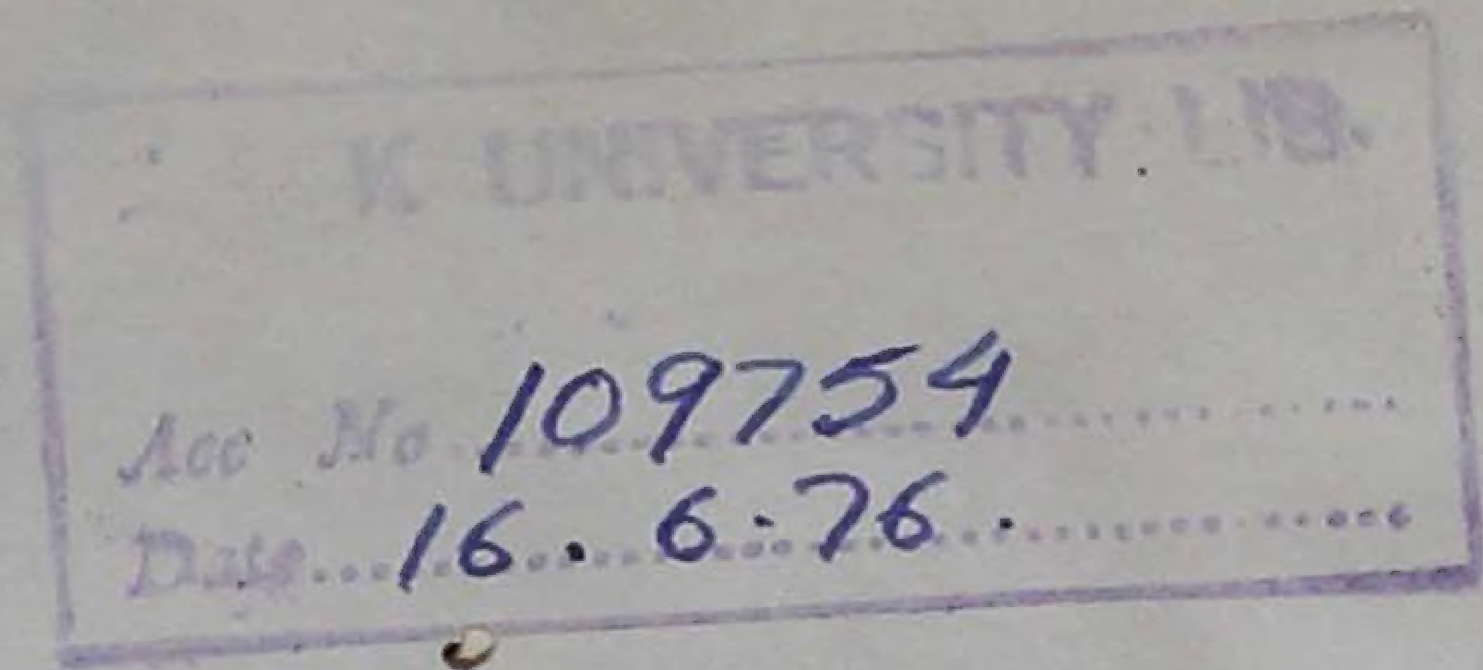
اظہارِ تشکّر

اس دیوان کی اشاعت

جموں وکشمیر اکاڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز

کی مالی اعانت کی رہینِ منت ہے

لیکن یہ اکاڈمی اس دیوان میں کسی مسئلہ یا موضوع کے متعلق

مصنّف کی رائے یا طباعت میں کسی فروگذاشت کی

ذمّہ دار نہ ہوگی۔

پیش لفظ

پیش لفظ لکھنا بذاتِ خود ایک فن ہے۔ فن اس معنی ہیں کہ لکھنے والا اُن لوازمات کو مشکل سے بھلا سکتا ہے جو پیش لفظ کو حقیقی معنوں میں ایک ادبی چیز بناتے ہیں۔ پیش لفظ لکھنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس نے کتاب کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ اس کو تنقیدی پہلو سے جانچا ہو۔ اُس پر اپنی رائے قائم کی ہو اور پڑھنے والے کو کم سے کم الفاظ میں ساری کتاب کا مفہوم سمجھا کر اور دیگر پہلوؤں پر بھی روشنی ڈال سکتا ہو۔ غرضیکہ پیش لفظ لکھنا اتنا آسان نہیں جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔

میں کوئی تنقید نگار نہیں اور نہ ہی اردو شاعری پر مجھے کوئی عبور حاصل ہے۔ بس صرف اُن لوگوں میں سے ایک ہوں جن کے

لئے شاعری کا مطالعہ کرنا سوائے لطف اندوز ہونے کے اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ اور پھر جب "ماسٹر جی" کی شاعری کا سوال ہو تو وہاں تو میں حد سے زیادہ جذبات سے کام لیتا ہوں۔ میں "ماسٹر جی" کے بہت سے قدر دانوں میں سے ایک ادنیٰ مداح ہوں اور اس لئے اپنی رائے دینے سے گریز کر رہا ہوں، کیونکہ مجھ سے بہتر انہیں سمجھنے والے اور بھی ہیں۔ مگر اُن کے شاگرد کی حیثیت سے میں صرف یہ فرض پورا کر رہا ہوں کہ اُن کی ساری اردو اور فارسی کی بہتر بہتر نظمیں۔ غزلیں۔ رباعیات ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کروا کے قدر دانوں کی ضیافت طبع کا سامان بہم پہنچا دوں۔

"ماسٹر جی" کا نام کشمیری جنتا کے لئے کوئی نیا نہیں۔ مگر وہ لوگ جو اُردو شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں "ماسٹر جی" کا اُن سے تعارف کرانا میں سمجھتا ہوں بہت ضروری ہے۔ اس بزرگ شاعر کا تعارف کرانے میں اور اس کی خصوصیات کا اچھے ڈھنگ سے اظہار کرنے میں ناکام نہ رہوں۔ اس لئے میں خود کو ایک خاص حد تک محدود کر کے، اس کام کا بہت سا حصہ آنے والے مصنفوں پر چھوڑتا ہوں۔

"ماسٹر جی" کا اصلی نام زندہ کول ہے۔ چونکہ زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس میں صرف ہوا اس وجہ سے لوگ احتراماً انہیں ہمیشہ ہی "گرو" یا "ماسٹر جی" مانتے آئے ہیں۔ انہیں انگریزی، فارسی، سنسکرت کشمیری، ہندی، اور اردو زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ بچپن غریبی میں

گذرا۔ جوان ہوئے تو زندگی کی تلخ حقیقتوں سے دوچار ہونا پڑا اور عمر ڈھلنے سے پہلے ہی بڑھاپے نے اپنا حیات کش سایہ ڈال دیا اور ابھی تک اسی کشمکش میں مبتلا مرگ ناگہاں کے منتظر ہیں۔ مجموعی طور پر اگر اُن کی زندگی کی پڑتال کی جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اُن کی زندگی سراپا غزل ہے شیریں درد تخیل کی بلند مگر سادہ پرواز اور درد و سوز سے بھرا ہوا ایک راگ ہے۔ اس شاعر کی شخصیت اُتنی ہی پُر اثر ہے جتنی اس کی شاعری۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر روزمرہ کی زندگی میں ایک عام آدمی ہوتا ہے مگر جس وقت شعر کہتا ہے یا شعر کہنے کے موڈ (MOOD) میں ہوتا ہے تو وہ تخیل کی بلندیوں میں پرواز کرتا ہے یعنی اُن لمحات میں شاعر خاکی انسانوں سے بالاتر ہو جاتا ہے اور اگر "ماسٹرجی" کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ ہر لحظہ عام آدمیوں سے بالاتر نظر آتے ہیں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اُن کی شخصیت سے شعر نہ کہنے پر بھی ہر وقت شعر کی سی سرمدی سادگی ٹپکتی ہے "ماسٹرجی" کی روحانیت کا یہ عالم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنا۔ ان کے خیالات کو بگوش ہوش سُننا میرے نزدیک عبادت سے کم نہیں کیونکہ وہ روزمرہ کی بات چیت میں بھی کسی وقت ایسی معرفت کی بات کہہ جاتے ہیں جس پر غور کرنے سے راہ حق کی تلاش کرنے والے کے سامنے قدرت کے کئی سربستہ راز

کھُل جاتے ہیں۔ آپ اُن بزرگوں میں ہیں جو بہت کم بولتے ہیں اور جب کھل کر بولتے ہیں تو معرفت کے دریا بہا دیتے ہیں۔

"ماسٹرجی" چار زبانوں میں شاعری کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ فارسی، کشمیری، اردو، اور ہندی، کشمیری کے شاعر کی حیثیت سے وہ کشمیر عوام میں زیادہ مقبول ہیں۔ اکاڈمی اوارڈ (ACADEMY AWARD) میں بحیثیت اردو شاعر کے لوگ انہیں کم ہی جانتے ہیں۔ فارسی میں بھی وہ شعر کہتے ہیں۔ ان کی کشمیری شاعری پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ ہم اس کتاب میں "ماسٹرجی" کو صرف ایک اردو اور فارسی شاعر کے ناطے ہی سے جاننے کی کوشش کریں گے۔

شاعر اپنے خیال کو کوئی روپ دے، شاعر کسی بھی زبان میں شعر کہے یا وہ دو تین زبانوں میں شعر کہتا ہو، یہ سب ہمارے مطلب کی باتیں نہیں ہمیں یہ جاننا ہے کہ شاعر کے جذبات میں کس قدر شدت ہے۔ اُس کا تصور کتنا بلند ہے، اُس کا موضوع سخن کیا ہے۔ فی الحقیقت شاعر کا ایک ہی دل ہوتا ہے اور لازمی بات ہے کہ اُس کے جذبات اور اُس کے دل کی دھڑکنوں میں یکسانیت اور ہم آہنگی ہوگی۔ کوئی بات نہیں اگر پیرایہ وسے الگ الگ ہوں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ "ماسٹرجی" کی شاعری کی خصوصیات میں خواہ زبان میں جغرافیائی اثرات موجود ہوں کوئی فرق کسی طرح بھی نہیں ہوگا۔ بنیادی طور پر ان کی کشمیری

اور اُردو شاعری میں زیادہ فرق نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کا اختلاف ہے۔ ہاں البتہ زبان کے استعمال اور اس کے آہنگ پر بہت کچھ مبنی ہوتا ہے، مگر اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ "ماسٹرجی" کی شاعری میں ایسی کوئی بات نہیں جو کھٹکتی ہو۔

شاعر کی شاعری، ماحول، تصور، تجربے، اور احساس کی گھلاوٹ کی پیداوار ہے۔ وہ کچھ بھی کہے اس کی ہر بات سے اس کی اپنی ہستی اور اپنی شخصیت اور اس کی دل گداختگی جھلکے گی۔ "ماسٹرجی" نے ایک ایسے ہندو گھرانے میں جنم لیا۔ جہاں پاکیزگی، انکساری، سادگی، اور قناعت پسندی کی ملی جلی فضا تھی اور نتیجے کے طور پر "ماسٹرجی" کے ذہن پر متصوفانہ خیالات کی چھاپ پڑی جو ان کی شاعری میں بار بار نظر آتے ہیں۔

"ماسٹرجی" کا دماغ ایک شاعر کا دماغ ہے اور اس پر جمالیات کا اثر ہونا ایک قدرتی امر ہے اور خاص کر جب کہ وہ ایسے مناظر کے بیچ سانس لے رہے ہوں جن کی رعنائی اور جن کے معاملے میں قدرت نے بے پناہ فیاضی دکھائی ہو۔ اب اگر یہ شاعر نشاط باغ اور گل و نشاط کے نغمے نہ گائے تو اور کس کے گیت گائے "ماسٹرجی" نے قدرت کو اپنے اشعار میں خوب سجایا ہے! اور اس حسین وادی کی بہاروں، پھولوں، کہساروں، اور لالہ زاروں کے لئے خوبصورت تشبیہیں ایجاد کی ہیں مثالیں ڈھونڈی ہیں اور

بڑی خوبصورتی سے انہیں اپنے شعروں میں برتا ہے۔

میں پروفیسر منظر اعظمی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس دیوان کے مسودہ پر نظر ثانی کی۔ میں پروفیسر جے ایل کول کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اس کام کے سلسلہ میں اپنے نیک مشوروں سے میری حوصلہ افزائی کی۔ "ماسٹر جی" کے قدر دانوں میں پنڈت جانکی ناتھ بخشی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کام میں میری مدد کی۔

جموں۔ جنوری ۱۹۶۶ء

ارجن ناتھ رینہ

فہرست مضامین

۱۔ دُعا

ہر ذرّۂ امکاں میں ہے جلوہ ترا اے لامکاں

ظاہر ہے تو، باطن ہے تو دونو جہاں کے جسم و جاں

تجھ سے ازل کی ابتدا۔ تجھ میں ابد کی انتہا

موجود ہے تجھ سے عیاں، معدوم پھر تجھ میں نہاں

اجسام کی ترکیب میں، ذرّات کی ترتیب میں

حکمت ہے تیری ہر جگہ قانونِ قدرت میں عیاں

گلزارِ ہستی میں جدھر دیکھے کوئی صاحب نظر

ہیں صاف ہر گل برگ پر اس کلکِ صنعت کے نشاں

اک ذرّہ مہر حُسن کا فطرت میں سب ہے چمکا ہوا

گل میں وہ رنگ و بو بنا، بلبل میں وہ شیریں زباں

تیرا ارادہ ارتقا تکمیل کا ہے رہنما
ناسوت سے لاہوت تک تدریج کی ہے نردماں

دنیا میں گر ہیں بیش و کم عیش و خوشی یا رنج و غم
ہمدردی و ہمت میں ہے مطلب دلوں کا امتحاں

تعریفِ ذاتِ پاک کی ویدوں نے بھی جرأت نہ کی
اوّل صفت میں رہ گئی حیراں یہ عقلِ نکتہ داں

تو گیانیوں کا گیان ہے تو یوگیوں کا دھیان ہے
تو برہم تو یزداں ہے معبود و مقصودِ جہاں

توفیق دے یارب کہ ہم سب راہِ معنی پر چلیں
مندر تری پوجا کا ہو پھر کشورِ ہندوستاں

باطل کی ظلمت سے بچا نورِ حقیقت کر عطا
اور مرگِ روحانی سے لا سوئے بقائے جاوداں

۲۔ آ مرے راہ نما

آ مرے راہ نما! مجھ پہ کرم کر آ جا
رہ گیا ہوں رہِ دشوار میں ششدر آ جا

جب سے ہوں اس قفسِ تنگِ عناصر میں اسیر
تیلیوں پر ہے نظر۔ ٹوٹے ہیں شہپر آ جا

حرفِ اوّل جو حقیقت کا بھلا بیٹھا ہوں
ہیں وبال۔ آہ! مرے دانش و دفتر آ جا

عقل ٹھہراتی ہے مشرق کو مقامِ مقصود
کششِ نفس ہے مغرب کو برابر آ جا

تو وہ پاکیزہ ثمر ہے کہ ترا پاک وجود
باغِ امکاں کا ہوا زینت و زیور آ جا

سُن کے فریادِ بشر (ایسے کرم کے قرباں)

خود سُرورِ ابدی) سے رہا باہر آجا

ابتدا ہی تو ہوا ہے مری ہستی کا کفیل

وعدہ اُس اپنی مُروّت کا وفا کر آجا

سروساماں سے نہیں مجھ کو سرِ مُو سروکار

تجھ کو سونپا سروسرمایہ سراسر آجا

پائے خوابیدۂ حرا۔ بے مددِ جذبۂ خاص

رہِ باریک پہ ثابت رہے کیونکر؟ آجا

۳ - التجائے توفیقِ خدمت

مہر و مہ - انجم و افلاک بنانے والے!
خاک سے آدمِ خاکی کو اُٹھانے والے!
ہوش و ادراک رواں ہمیں لبانے والے!
اے حکیم! اے دلِ انساں کے بنانے والے!

بحرِ ذخار ہے رحم و کرم و جُود ترا
جس کا اک قطرہ ہے سرمایہ دلِ انساں کا
گر نہ ہو رحم و کرم دل میں ہمارے موجود
کس زباں سے کہیں۔ رحمٰن ہے ہمارا معبود؟

رحم کرنے رحم کی توفیق ہمیں دے یارب
مستحقِ رحم کے ہم کو بھی بنا لے یارب

ہم کو انساں ہے بنایا تو جوانمردی دے

جذبۂ شفقت و دلسوزی و ہمدردی دے

خدمتِ خلق میں لگ جائے ہمارا تن من

منصبی فرض ادا ہو بطریقِ احسن!

ان کا دکھ دور کریں، دست و دماغ ایسا دے

درد پہچان سکیں چشم و چراغ ایسا دے

سب کی خدمت کریں یکساں بکمالِ توقیر

اپنی ملّت کے ہوں یا غیر، گدا ہوں کہ امیر

خوشدلی سے کریں سب کام۔ نہ مجبوری سے

مدعا حسنِ عمل سے ہو۔ نہ مزدوری سے

۴۔ گیان دے مجھ کو

الٰہی ذات تری ہے حقیقتِ ہستی
تری صفات کا جلوہ ہے صورتِ ہستی
جہانِ ظاہر و باطن کا جسم و جاں ہے تو
مجھے یہ دُھن ہے کہ یا رب! چھپا کہاں ہے تو؟
دُعا مری نہیں۔ سارا جہان دے مجھ کو
جہاں تمام ہے میرا۔ یہ گیان دے مجھ کو

۵۔ میں نہ ہوتا

الٰہی! کیا نقص تھا جو قدرت تری نہاں سے عیاں نہ ہوتی؟
جہاں نہ ہوتا تو تیری حکمت بہ فکرِ کارِ جہاں نہ ہوتی
شگوفہ کاریِ ریاضِ عالم کی خوب کی ہے، یہ لطف جب تھا
کہ خارِ پہلوے گل ہمیشہ بلا ہے بادِ خزاں نہ ہوتی
یہ زہرِ مکر و فریب و حرص و حسد کے کانٹے نہ بوئے جاتے
عدن بھی مثلِ بہشت ہوتا جو جائے آدم یہاں نہ ہوتی
بنا کے مجھ نابکار کو کیوں زمیں کی مٹی خراب کر دی
نظامِ عالم کا کیا بگڑتا جو مجھ کو دی تو نے جاں نہ ہوتی
ازل سے تجھ کو یہ علم جب تھا کہ میں یہ ننگِ وجود ہوں گا
عدم ہی میں مجھ کو رہنے دیتا تو حاجتِ امتحاں نہ ہوتا

نگاہِ کوتاہ و فہم ناقص دئے تو جبراں کیا زیادہ
نہ عقلِ کامل کہ جنگِ شیطاں میں اس قدر ناتواں نہ ہوتی

جیانتِ سیل بلا ہے، اُس پر شباب طوفان بے تمیزی
بڑھاپے میں کچھ قرار ہوتا جو آہ! غفلت جواں نہ ہوتی

یہ صبرِ ناچار سہہ بھی لیتے ستم بامیدِ مرگ شاید
جو روح کمبخت آنے جانے میں دربدر جاوداں نہ ہوتی

بجا ہے شکر و سپاس تیری نشکا یتیں یوں کیا نہ کرتا
غریب ثابتؔ خموش ہوتا جو اُس کے منہ میں زباں نہ ہوتی

۶۔ گوال بال کی پکار

بول او بنسی! مرا پیارا کہاں گیا
جنگل میں چھوڑ کر مجھے تنہا کہاں گیا

یہ گھور بن، یہ کالی گھٹا، یہ اندھیری رات
گرتا ہوں ہر قدم پہ سہارا کہاں گیا

آواز کس بلا کی یہ آتی ہے دل خراش؟
وہ دل نواز بنسری والا کہاں گیا

اک آن ٹھہر جائیے یہ بجلی تو دیکھ لوں
نقشِ قدم تھا شاید اُسی کا۔ کہاں گیا

پاپی سہی ہیں، پاپیوں کا آسرا ہے کون؟
اُس کا کلام کیا نہیں گیتا؟ کہاں گیا

جپ تپ سے گیان دھیان سے محروم میں سہی
اُس کے بھروسے جوگ لیا تھا۔ کہاں گیا

ہنستا تھا، کھیلتا تھا مرے ساتھ رات دن
وہ دن کدھر گئے۔ وہ زمانہ کہاں گیا؟

ایسا وہ سنگدل نہیں، ترساتے ہو مجھے
کیوں کہتے ہو، بتا بھی نہ چھوڑا کہاں گیا؟

دل کہہ رہا ہے میرا یہیں آس پاس ہے
تم سے کہا ہے مجھ کو نہ کہنا۔ کہاں گیا؟

ایسا اگر ہے۔ بولو۔ یہ تگیا کو توڑ دو
لو میرے سر پہ پاپ تمہارا۔ کہاں گیا؟

گر رادھیکا کا جذبہ اُسے کھینچ لے گیا
رادھا کو لے کے کیوں نہیں آیا۔ کہاں گیا؟

وہ جانتا ہے جان مری اس کے ساتھ ہے
اس کے بغیر میں نہ جیوں گا۔ کہاں گیا؟

تم سے جو پوچھے انت سمے میں نے کیا کہا؟
بولو۔ یہی کہ میرا کنھیّا کہاں گیا؟

۷- اس طرف ایک نظر

اس طرف ایک نظر، پاس سے جانیوالے

او نزاکت سے نگاہیں نہ اٹھانیوالے

کوئی مسجد سہی، مندر سہی، میخانہ سہی

ہم بھی ڈھونڈیں جو کہیں ہوں وہ ڈھکانیوالے

تم نے دیکھا ہو تو بتلاؤ کدھر سے نکلے

کالے کالے سے ہیں اک بنسی بجانیوالے

اپنا مسکن یہی خاک رہِ گوکل ہوگا

آتے جاتے رہیں یہ سورگ کو جانیوالے

سوزِ دل شمع ہے ہم اس کے ہی پروانے ہیں

مندروں میں نہیں ہم شور مچانیوالے

ناپسند (غ)

ناصح نہ آ، نہ آ کہ یہاں حال زار ہے
قاصد! نہ جا نہ جا کہ اُسے مجھ سے عار ہے

بس! میں نہیں پیوں گا۔ خدا کے لئے نہ چھیڑ
شربت مرے مزاج کو ناسازگار ہے

واپس کیا مرا دلِ صد چاک یار نے
لکھتے ہیں۔ ناپسند ہے یہ داغدار ہے

دیدار یار سے مجھے اے شمع یاس ہے
بجھ جا کہ روشنی مری آنکھوں پہ بار ہے

جس دل کا شورِ شعلۂ شوق آگے سنتے تھے
جل بجھ کے میرے سینہ میں مشتِ غبار ہے

کشمیر زہر ہے اب جاؤ بلبلو!
شاید ہنوز ہند میں آتی بہار ہے

ثابت قدم جو راہِ خطا پر ہو، ہائے ہائے
کیونکر کہیں کہ رحم کا امیدوار ہے

سمجھ کا قصور (غ)

سمجھا تھا میں کہ حسن کا اُن کو غرور تھا
لیکن جو دیکھا۔ اپنی سمجھ کا قصور تھا

وہ میرے پاس تھے رگ جاں سے قریب تر
میں عقلِ نارسا کی طرح اُن سے دور تھا

اُس مے کی تھی ہوس مجھے جوشِ شباب میں
جس کا اثر خمار بجائے سرور تھا

مارا ہوا فراق کا اب پختہ کار ہے
سیماب خام میرا دلِ ناصبور تھا

رنجِ طلب ہے باعثِ راحت حصول میں
دردِ فراق نار نہیں۔ عین نور تھا

بہر کشائشِ دلِ سخت و سیاہ کار
سوز و گداز آیتِ لطفِ غفور تھا

ثابت کبھی اگرچہ نہ تھا قائلِ طواف
اک گونہ طوف حرم اُسے بھی ضرور تھا

فریبِ حُسنِ مجازی

ترے ہاتھ سے بتِ بے وفا! کوئی ظلم ہے جو ہوا نہیں؟
تجھے وہ غرور ہے حسن کا کہ ذرا بھی خوفِ خدا نہیں

ترے وصل و ہجر میں ہنس و کم مرے دل کو گرچہ ہے دمبدم
تپ و تابِ و آتشِ درد و غم ابھی (سخت حال ہوں) مرا نہیں
مے عیش زہر تھی جاں گزا۔ ہزار عشوۂ دل رُبا
مجھے بس میں کر کے جو دی بلا۔ وہ مرض ہوا کہ دوا نہیں
کبھی جانِ من، کہوں جسم کو، کبھی جسم صورت و اسم کو
کبھی حُسن رنگِ طلسم کو۔ مری عقل ہے جو بجا نہیں
ہیں غریب عشق کا جانور ترے دام میں ہوں شکستہ پر
ترے باغ سبز سے بے خبر۔ کوئی میرا حق کے سوا نہیں
مجھے چھوڑ دے مجھے چھوڑ دے جو عطا کیا ہے وہ مجھ سے لے

میں وطن کو جاتا ہوں جانے دے ترے واسطے میں بنا نہیں
ترے جال میں جو پھنسا نہیں، جو اسیرِ حرص و ہوا نہیں
وہ خدا کا ہے اُسے کیا نہیں، وہ ہے ثابت اس کو فنا نہیں

خاموش ہوں (غ)

غمِ جدائیِ جاناں کو رو کے بیٹھا ہوں
نیم جگر سے بھی اب ہاتھ دھو کے بیٹھا ہوں

یہ ضعف و یاس ہے طاری سکون و صبر نہیں
نہ سمجھئے کہ میں نالہ کو رو کے بیٹھا ہوں

جہاں سے اٹھنا بھی اب اختیار میں نہ رہا
کرم سے اُن کے گرانبار ہو کے بیٹھا ہوں

یہ فائدہ ہوا تحصیل علمِ مغرب سے
بُرے بھلے کی تمیز آہ! کھو کے بیٹھا ہوں

سوال کرنے کی تابت زبان نہیں گویا
سُنا جواب تو خاموش ہو کے بیٹھا ہوں

رخصتِ سفر (غ)

آنسو تھمے تو کی کچھ خونِ جگر نے ہمت
لعلِ یمن بنا ہے لولوئے تر ہمارا
خالی جہاں سے اٹھنا بھی جب گراں ہے ہم کو
کافی ہے ایک ارماں رختِ سفر ہمارا

رونا نہیں آتا

نظر ہم کو فراغت کا کہیں کونا نہیں آتا
تلاشِ یار میں سرگشتہ بھی ہونا نہیں آتا
فراقِ جاں میں جان کا کھونا نہیں آتا
سرشکِ غم سے دل کا داغ بھی دھونا نہیں آتا
یہ رونا ہے کہ اس حالت پہ بھی رونا نہیں آتا

میری دیوالی

چراغاں ہے زمیں پر آسماں پر بھی دوالی ہے
تصوّر محوِ آرائش ہے۔ دیوی آنے والی ہے
کہیں نقّاد ہے، صنعت گری کا حق ادا کرنا
کہیں اہلِ سخن کی دلربا شیریں مقالی ہے
دلوں میں اہلِ دل سے وہ کئے ہیں نور کے ساماں
کہ ہر اک روشنی اب روکشِ قطب شمالی ہے
کہیں جوگی ہے، جس نے اپنے سیلابِ تخیّل کو
کیا ہے اس قدر یکسو کہ بس بجلی نکالی ہے
کہیں اک تارکِ کامل نے برقِ بے نیازی سے
جلا کر خرمنِ آمال کو دھونی رما لی ہے

مرے کاشانۂ دل کی یہیں چھوٹی سی کٹیا ہے
نشانی جس کی خاک و خوں، خرابی، خستہ حالی ہے
چراغِ مردۂ داغِ کہن سے صاف روشن ہے
کہ اس کاشانۂ تاریک کی دیوی بھی کالی ہے
یہ کیا اندھیر ہے؟ ثابت بھی نہ را آفریدہ ہے
خدایا اس کی قسمت کیوں خدائی سے نرالی ہے

جوابِ تُرکی

زمانہ گر ایک دن بھی واپس مرا وہ عہدِ شباب دیتا
تو تیری تُرکی کا میں بھی تُرکی میں شوخ کم سن! جواب دیتا

بلند و پست آفریں نہ کرتا جو حسُن کی اسقدر رعایت
تجھے جو خورشید رُو بنایا۔ مجھے نگاہِ عقاب دیتا

بلا سے گر دلفریب تھے تم، فریب کی کچھ نہ تھی ضرورت
خوشی سے میں دل کے ساتھ دل کا غمِ عذاب و ثواب دیتا

رما کے دھونی میں کارِ دنیا کے گھر میں آگ اس طرح لگاتا
کہ رندِ بے باک و لا اُبالی زمانہ مجھ کو خطاب دیتا

بلندی و تیزی و روانی میں ابرہ بل کا سماں دکھاتا
وفورِ جوش و خروش سے میں سخن کو تابِ ت! وہ آب دیتا

چلو گھر (غ)

چلو گھر ہم نشیں! اب لطف کیا ہے لالہ زاروں میں
دل آزاد مہر آگیا لگے گا داغ داروں میں
گئے جو پارہ ہائے دل نہ واپس آئے سینہ میں
اُلجھ کر رہ گئے سازِ غمِ الفت کے تاروں میں
اِدھر کے یا اُدھر کے ہو کے رہتے۔ فیصلہ ہوتا
بُرا ہوتا ہے یوں مر مر کے جینا بے قراروں میں
گئے کشمیر بھی لیکن تپش دل کی نہیں جاتی
چناروں، سبزہ زاروں، آبشاروں شالماروں میں
نفس نا صاف تھا۔ جیب تفکر کی ہوا بگڑی
چراغِ عقل گل ہوتا ہے اب تاریک غاروں میں
ہو لئے کوئے جاناں ہیں جو اڑتی مشکِ خاک اپنی
خرا ہوتا کہ ہم بھی پانچویں ہوتے سواروں میں
نکل آئے گی صورت اک نہ اک دن بننے بگڑنے کی
عجب گردش ہے اب کے سال ثابت کے ستاروں میں

ڈل

ڈل ہی ڈل ہے جس طرف بھی دیکھو ڈل کی واہ واہ!
مے کشوں کی عیدگاہِ بے بدل کی واہ واہ!

پاکی و صدق و سکوں میں ہے دلِ اہلِ صفا
بے غبار موجِ نرمل ڈل کے جل کی واہ واہ!

آسماں کا عکس ہے گھنشیام اور رادھا کنول
نیلگوں جل سے گھرے رنگیں کنول کی واہ واہ!

ہے فرح بخش و نشاط افزا نسیم شالمار
چشمۂ شاہی و آب تیل بل کی واہ واہ!

اونچے نیچے لاکھ شہرِ ہل کہ بنی ہے یہ صدا
آب و گل میں پرتوِ سازِ ازل کی واہ واہ!

آبِ ڈل سے صاف اور شیریں ہے ثابت کی زباں
صوفیانہ طرز کی ڈل کی غزل کی واہ واہ!

خیالِ خام (غ)

قصۂ دوستی تمام ہوا
لکھنے والے کا ختم کام ہوا

پشتِ خم ہے جو بارِ ظلم پہ دال
جھک کر اپنا یہی سلام ہوا

جسکو دیکھو وہ لافِ عشق میں مست
کوچۂ عشق راہِ عام ہوا

ایک کو بھی گزر ہوا مشکل
لب پہ آہوں کا اژدہام ہوا

لاکھ ارمان خوں ہوئے قاتل
کشورِ دل میں قتلِ عام ہوا

طاعتِ حق کا چھوڑ کر مسکن
"کافرستان" میں غلام ہوا

شمع کی طرح سوزِ دل سے جلا
سربریدوں میں میرا نام ہوا

توسنِ عمر تیز گام تو تھا
تیز گامی سے بدلگام ہوا

نہ رکا "آہوئے رمیدہ" مرا
تار و پودِ نظر نہ دام ہوا

سادہ لوحی کی حد بھی ہوتی ہے
وحشی جن کس کا رام ہوا

دام میں آئے وصل کا عنقا
آج ثابت خیالِ خام ہوا

اچھّا ہوا (غ)

شاداں ہوں بس کہ تم کو دل آزار دیکھ کر
ہنستا ہوں آج تم کو گرفتار دیکھ کر

بیمارِ غم کو آنکھیں دکھاتی تھی شوخ چشم
اچھّا ہوا ہیں نرگسِ بیمار دیکھ کر

پامال ہو نہ "آہوئے وحشی" اکسی کا دل
ہوتے ہیں دل میں خار، خبردار دیکھ کر

گو ہم بھی نقدِ جاں سے خریدار نہ تھے
اُٹھے پھر آئے گرمئ بازار دیکھ کر

بالیں پہ میرے آج طبیبِ مسیح دم
خاموش بیٹھے عشق کے آثار دیکھ کر

گل داغ دل ہی لے گئے اس باغِ دہر سے
ان شور کرنے والوں کے اطوار دیکھ کر

نازک خیالیوں سے بس اب باز آئے ہم
نازک خیال سے کمر یار دیکھ کر

تلخابہ (غ)

دیکھ قاتل! کس کو مارا خنجرِ بیداد سے
دامن اپنا پاک کر خونِ دل ناشاد سے
اک وفا کا حرف صد بابِ جفا میں کیا نہ تھا؟
کیا پڑھایا؟ دل میں ہے پوچھوں ترے اُستاد سے
نت نیا ڈھب دلستانی اور دل آزاری کا ہے
ہے اُمیدِ رحم باطل اُس ستم ایجاد سے
میرے رونے سے ہنسی شیریں دہن کو آگئی
شیر شیریں تر ہوا تلخابۂ فرہاد سے
اُس سراپا ناز کی صورت محالِ عقل ہے
تم نے کیا دیکھا تھا؟ پوچھو مانی و بہزاد سے
رات کھانے آتی ہے مہماں نوازی کیا ہوئی
ہاں طبیبو! تم کہو مہمانِ شب ہوں یا نہیں

نزع کے دم آ ہی جا - دیدار پھر ہو یا نہ ہو
کیا خبر روزِ جزا دونوں طلب ہوں یا نہیں

کیا کروں (غ)

ہے جی میں سر کو پاؤں پر اُن کے فدا کروں
پر دو جہاں میں اُن کو نہ پاؤں تو کیا کروں

میں جانتا ہوں کیا ہے دوا میرے درد کی
کہہ کر کسی سے کس لئے درد آشنا کروں

چپ ہوں کہ اک زباں سے دو دن کی عمر میں
بُت کا، اجل کا، چرخ کا، کس کا گلہ کروں

قرضہ ہے مجھ پہ دہر کا منکر نہیں ہوں میں
ہنس کر طلب کرے تو خوشی سے ادا کروں

مارا مجھ کو (غ)

یہ غلط ہے کہ غم و درد نے مارا مجھ کو
دلِ سخت و سیہ و سرد نے مارا مجھ کو
جیسے منحوس کے پاؤں پہ سنیچر ہے سوار
خانہ بربادِ جہاں گرد نے مارا مجھ کو
کبھی ثابت کی زباں راز نہ کھلنے دیتی
پر لبِ خشک و رخ زرد نے مارا مجھ کو

نوازش نامہ (غ)

ترا تیرِ نظر سینے میں آکر ڈھونڈتا کیا ہے؟
کبھی کا لے چکا ہے دل کو اب اس میں دھرا کیا ہے

کوئی اچھا طریقہ یاد آیا ہے ستمگر کو!
پس از مدت نوازش نامہ آیا مدعا کیا ہے؟

مرے نالے فقط آواز ہیں اُن کے لئے ہیں بھی
جو دل میں آئی کہہ دیتا ہوں بے جا و بجا کیا ہے؟

رمِ آہوئے وحشی بیٹھے بیٹھے یاد آیا ہے
نہ پوچھ آوارۂ وحشت جنوں سے ماجرا کیا ہے؟

مرا نورِ نظر ہو کر مری آنکھوں سے پنہاں ہے
خفا ہوتا ہے کیوں رونے سے، رونے کی خطا کیا ہے؟

نکل گئے

(غ)

وہ بوئے گل کی طرح چمن سے نکل گئے
یا میری جاں کی طرح بدن سے نکل گئے

دانش کا جہل سے ہے یہاں تلخ تر ثمر
آدم کو دیکھو باغ عدن سے نکل گئے

یہ کس صدائے پا سے قیامت بپا ہوئی
جذبات مردہ دل کے کفن سے نکل گئے

شاعر تھے نابکار تجارت کے راج ہیں
بے عزتی کے ڈر سے وطن سے نکل گئے

ندامت (غ)

ان سے مل کر خیر ندامت مجھ کو کیا حاصل ہوا؟
منفت ہیں پامال یہ نازوں کا پالا دل ہوا

ان کی ہمدردی تو دیکھو! ماجرائے دردِ دل
اُس بتِ بےدرد کا آرائشِ محفل ہوا

قصۂ الفت جوانی کی شبِ تاریک کا
صبح پیری ہوتے ہی افسانۂ باطل ہوا

کہہ رہے تھے۔ نہیں تشویش ہیں حمکن سرور
بعد رسوائی دلِ ناداں بھی اب قائل ہوا

عہد کفر و بت پرستی کا کتب خانہ تمام
دفتر نسیاں میں اپنے یک قلم داخل ہوا

بھُول (غ)

افسوس بُت پرستی میں ہم خدا کو بھولے

ان فانیوں سے مل کر اپنی بقا کو بھولے

خلخالِ یار سمجھے یا نغمۂ مغنّی؟

کیوں بے خبر مسافر! کوس و درا کو بھولے

دل جائے تو مصیبت اور آئے تو قیامت

جب تک نہ اس جہاں کے ہر دلربا کو بھولے

بہتر ہے تم ہمارے مہر و وفا کو بھولو

ہم اے بتو! تمہارے جور و جفا کو بھولے

کہاں ہو؟ (غ)

آنکھوں سے میری پنہاں نورِ بصر! کہاں ہو؟
گم ہو کر آپ تم کو ڈھونڈوں کدھر؟ کہاں ہو؟
اونچا مقام تیرا اور میں ہوں پا شکستہ
اس پُر خطر زمیں میں میرا گزر کہاں ہو؟
کچھ تو پتہ بتا دو - نام و نشاں سمجھا دو
ہر بار واپس آتا ہے نامہ بر - کہاں ہو؟

کیا ہوں (غ)

تاریکیوں کے اندر بجلی چمک گیا ہوں
یا دو عدم کے مابین اک جلوۂ بقا ہوں
بگڑی ہوئی ہے بے ڈھب کیوں کر بنے الٰہی
مجھ سے خفا میری جاں میں جان سے خفا ہوں
کس رشک مہر کا ہے منظور طوف مجھ کو
کس کو خبر ہے ثابت! سیّار کیوں ہوا ہوں

وہ پرایا (غ)

جب یہ سینے کا پلا دل ہی نہ پایا اپنا
ہم نے جانا کہ نہ ہوگا وہ پرایا اپنا
مسکرانے کو وہ لعل نمکین سے ملنے لگا
زخم خوں بار اگر ہم نے دکھایا اپنا
خط میں تھا پائے حنا بستہ کا عذر معقول
اس میں ارماں کو مرے خوں نظر آیا اپنا
نامہ بر! تجھ میں یہ انداز تغافل کیسا؟
کیا کہیں تو نے وہاں رنگ جمایا اپنا؟
کیا کہوں گوشۂ خلوت سے ہوا کیا حاصل
بے نشاں کی تھی طلب نقش مٹایا اپنا
نہ گل و لالہ کا ممنون ہوں نہ مرہونِ بہار
بے خزاں باغ جو داغوں کا لگایا اپنا
شمع کی طرح ہنسے جس قدر اتنا روئے
صبح کے وقت تھا فاضل نہ بقایا اپنا

دیکھا ہے (غ)

جس نے اُن کو سرِ مو پردہ اُٹھا کر دیکھا
دانش و دولت دنیا کو گنوا کر دیکھا

راہِ اُلفت رہ دشوار ہے گو دُور نہیں
چلنے والوں نے بھی ٹھوکریں کھا کر دیکھا

ہم جو سرگشتہ و مجنوں ہوئے ناداں ٹھہرے
یہ اُنھیں کے لئے آفاق بنا کر دیکھا

شمع عرفاں کی نہ پروانہ ہوئی کیوں بُلبل؟
گل کو پروانہ ہوئی، شور مچا کر دیکھا؟

ذکر اُن کا ہی ہمیں وردِ زباں ہے ناصح!
ہم کو فرماتے تھے اب آپ بھلا کر دیکھا

سادگی (غ)

ہمیں شربتِ غم گوارا نہیں ہے
پیئے بن مگر کوئی چارہ نہیں ہے
لگے چوٹ پر چوٹ تو کیوں نہ ٹوٹے
بشر کا ہے دل سنگ خارا نہیں ہے
سرا ہیں جو دو دن رہا، چل دیا پھر
اقامت کا اس میں اجارہ نہیں ہے
سکندر کے کانوں میں گونجی یہ نوبت
کہ دارا تھا کل۔ آج دارا نہیں ہے
ملے جام مے تو یہ الفاظِ بابر
پیئے جا کہ عالم دوبارہ نہیں ہے
یہ لا انتہا حسن جس کا عیاں ہے
کہا کس نے وہ آشکارا نہیں ہے

جو ہر ایک ذی روح سمجھے ہے "میں ہوں"
یہ اُس کی طرف کیا اشارہ نہیں ہے؟
ستاروں کی چشمک زنی اس لئے ہے
کہ پیشِ نظر ماہ پارہ نہیں ہے
تمہارے لئے ہم نے پالا تھا دل کو
تمہارا نہ ہو تو ہمارا نہیں ہے
وہ احسان کا داعی ہو جس نے کسی کا
کبھی سر سے تنکا اتارا نہیں ہے
غضب ہے اگر سادہ دل اس بلا کا
تری شانِ رحمت کو پیارا نہیں ہے

دل آرام

ہر شے یہاں ہے خاص کسی کام کے لئے
اور کام سب ہیں فائدہ عام کے لئے

خالق ہے بُت تراش تو مخلوق بُت پرست
دنیا بنی ہے جلوۂ اصنام کے لئے

یہ بھی تھی ایک یادِ قد و زلف یار کی
اللہ کو پوجتے تھے الف لام کے لئے

زلفِ بتانِ دہر کے اسیر ہندوؤ! سنو
یا نہ آؤ تاک جھانک سے تم رام کے لئے

ہرگز نہ دوں گا، میں نے خدا کو نہیں دیا
یہ میرا دل ہے میرے دل آرام کے لئے

پیری اسیری (غ)

قفس کے رخنہ سے دھوپ چمکی، بہار پھر شاید آ رہی ہے
مگر یہاں اُن کی سرد مہری خزاں کا نقشہ جما رہی ہے

شباب کا نغمہ کیا سناؤں، بیان رنگیں کہاں سے لاؤں؟
کہ بال رنگیں یہ برف پیری کچھ اور ہی گل کھلا رہی ہے

بڑھاپے کی نقل کر کے بچپن میں کھلکھلاتا اب آگے آیا
کہاں ہے طفلی! کہ تیری رہ رہ کے یاد آ کر رلا رہی ہے

دھرا ہے فیض ازل نے پنجرے میں عمر بھر کا جو آب و دانہ
چمن کی ہر اک کلی چٹک کر عبث مجھے کیوں بلا رہی ہے؟

تصورِ سنبل و چمن مجسم ہے اس کو کہاں جگہ دوں؟
دلِ حزیں مبتلائے تپ ہے، جگر کو خشکی ستا رہی ہے

نہ تھی ہماری قسمت (غ)

مجھے اپنے دل پہ دلجو! اگر اختیار ہوتا
تو ہزار جان سے تجھ پر بخدا نثار ہوتا
جو کہیں کا ہو کے رہتا جو وفا شعار ہوتا
تو نہ مارا مارا پھرتا نہ خراب و خوار ہوتا
کسی اور کا جو ہوتا یہ دل سیاہ و سرکش
تو یہ وعظ میرا شاید اُسے سازگار ہوتا
یہ خیال ہی غلط تھا یہ امید محض باطل
کہ قفس پسند مرغ سر شاخسار ہوتا
اسے چھوڑ کر نیا دل میں کہیں سے ڈھونڈ لاتا
وہ مستعار پر کچھ اگر اعتبار ہوتا
کسی بت کا حسن فانی اسے پھر لبھا نہ سکتا
تجھے بے حجاب دیکھا اگر ایک بار ہوتا

تری یاد میں جو بھرتا دُرِ اشک سے یہ دامن
لبِ خشک میرا رشکِ لبِ جوئبار ہوتا
اُدھر ایسی بے نیازی اِدھر ایسی نامرادی
نہ ہوا کہ اُن کے بندوں میں مرا شمار ہوتا
دمِ نزع ہم بھی تا بت یہی غالبا کہیں گے
"یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا"

زنجیر طلاء (غ)

کل رات کو رنجیدہ تھا میں نیند نہ آئی
اُس رنج میں "بھائی" کی تسلّی بھی نہ بھائی

غم یہ تھا کہ پڑھ لکھ کے خدائی کے دلائل
افسوس کہ بت پوجنے میں عمر گنوائی

مقتول کا خوں رہتا ہے گردن پہ اُسی کی
قاتل کے ذرا ہاتھ کی دیکھو تو صفائی!

ہے قید ہر اک چاہ، جکڑتی ہے برابر
لوہے کی ہو زنجیر کہ زنجیر طلائی

قسمت سے مجبور (غ)

قسمت سے مجبور ہے انساں قسمت سے مجبور
منزل کے نزدیک بھی آکر جا پڑتا ہے دور
قسمت سے مجبور!

رحم نے مجھ کو پیاسا پاکر شربت کا بخشا تھا ساغر
سوئے عمل نے ماری ٹھوکر، کر دیا چھلکا چور
قسمت سے مجبور!

یاس کی چھائی کالی گھٹا تھی آس کی کوندی اک بجلی سی
جھپکی آنکھ، کھلی تو دیکھی تاریکی نے نور
قسمت سے مجبور!

۲- واسوخت

یہ تم کو کس نے سکھایا، یہ کیا کیا ظالم!
بُرا کیا یہ، نہایت بُرا کیا ظالم!

وہ دل کو عیشِ جہاں سے ہٹا تھا کوسوں دور
جسے لبھا نہ سکے تھے بہشت و حور و قصور

جسے خدا سے لگانا مجھے نہ تھا منظور
وہی ہو دل مرا اور تم کرو یہ چکنا چور!

طلب کریں گے جو روزِ حساب کیا دو گے؟
خدا کے سامنے آخر جواب کیا دو گے؟

تمہاری قوم میں اک اک کو بے وفا دیکھا
تمہارے وعدوں کو سو بار آزما دیکھا

تمہارے کوچہ میں اب چشم بستہ جاؤں گا
دلِ شکستہ کے ٹکڑے سمیٹ لاؤں گا

نہ دونگا پھر کسی مغرورِ حسن فانی کو

نہ ٹھیس لگاؤں گا پھر نخلِ شادمانی کو

کسی کے رخ پہ نگہ اب کسی کی چاہ نہیں

کہ ہیں غریب پیادہ ہوں کوئی "شاہ" نہیں

خدا کی راہ میں آنکھیں بچھا کے بیٹھونگا

اسی کی یاد میں سب کو بھلا کے بیٹھونگا

دلِ شکستہ ہے مرغوب لطفِ باری کو

بناؤں گا میں وکیل اپنی شرمساری کو

دوائے صبر و سکون دل کے واسطے لونگا

امید بلکہ ہے تم کو بھی بخشوا دوں گا

۳۔ سفر

۱۔ جب میں کشمیر سے لاہور کی جانب نکلا
گوشۂ فقر سے اقبال کا طالب نکلا
قافلہ موٹر کا رستے کے کنارے دیکھا
سب کو بے صبر و سکوں پیٹ کے مارے دیکھا
اُن سے چند ایک کو لالچ نے دلاسا دیکر
جانبِ رہگزرِ عام نکالا باہر
ایک گاڑی جو اُسی وقت قضا را آئی
ان کو صحرائے عدم میں وہیں پہنچا آئی
سخت کوشی کا سر انجام مجھے یاد آیا

۲۔ کوہ مرّی پہ دلِ شنا کی ہوا آتی تھی
یا عزیزانِ وطن سے وہ دعا آتی تھی
گاؤں تھا عیش کے اسباب کی بھرمار نہ تھی
شور و غوغا کی وہاں گرمیٔ بازار نہ تھی
شب تہنا اب تھی سنسان کھڑا جنگل تھا
عاقل و عابد و قانع کے لئے منگل تھا
ایسی خلوت تھی کہ دخلِ غمِ ایّام نہ تھا
بس کسر یہ تھی کہ شری کا نت نہ تھا دھام نہ تھا
راز دانوں کا لب بام مجھے یاد آیا

۳۔ پہلے جس چشمہ سے طوفان بپا ہوتا تھا
چند قطرے سے لئے وہ آج پڑا روتا تھا

سبزہ و گل سے جہاں پہلے نگارستان تھا
خشک پتوں سے وہاں خاک پہ خارستاں تھا
اثر گردش ایام مجھے یاد آیا

۴۔ بنتی اینٹوں کا تھا اک بیت علوم استادہ
آب نایاب تھا، کمرے تھے جہنم زادہ
پرنسپل بیٹھے وہیں کرتے تھے عالمگیری
سامنے لرزہ بر اندام تھے ہم کشمیری
ہم کو دیکھا تو اُٹھے آگ بگولا ہو کر
کر دیا بند در عدل و عنایت ہم پر
ہم ٹھٹک کر رہے دفتر میں ہمیں بار نہ تھا
کوئی غمخوار نہ تھا، کوئی مددگار نہ تھا

ایسی حالت میں ولی رام مجھے یاد آیا

۵۔ رام کشمیر سے ننھا ایک "کبوترہ" نکلا
آشیانہ سے ابھی حال ہیں باہر نکلا
کم سنی سے نہیں معلوم یہاں کیا دیکھا
سبز باغ اُس کو نظر آیا، سراب آ دیکھا
زار رو تا تھا کہ گرمی نے ستایا مجھکو
"گھر سے یاں کون خدا کے لئے لایا مجھکو؟"
نالہ و شیون گلفام مجھے یاد آیا

ایک دن گرمی و خشکی کا بہت زور ہوا
نور آنکھوں سے گیا، کانوں میں اک شور ہوا

رنجِ غربت نہ مجھے رخصتِ سفر یاد آیا
نہ وطن کا رہا کچھ دھیان، نہ گھر یاد آیا
یاد آیا تو مرا شیام مجھے یاد آیا

آندھیاں آئیں تو جھک کر ہیں زمیں گیر ہوا
جس سے سی سالہ جواں ہوتے ہوئے پیر ہوا
سخت جانی سے ہیں قائم ہوں، حوادث گزرے
چوم کر پاؤں کو میرے کئی طوفان اترے
زندہ ثابت ہوا ہر بار جو لگ بھگ مر کے
گھر کو واپس پھرا "بے رنگ" تخلّص کر کے
دربدر پھرنے سے آرام مجھے یاد آیا

۴ - پیامِ بہار

۱- بہار کی اب تھی آمد آمد، گزرنے والا تھا عہد سرما
کہیں اُٹھا کر نقاب بادل کی مہرِ انور بھی جھانکتا تھا
بشکل دستِ دُعا اُٹھی تھیں چمن میں سب گلبنوں کی شاخیں
ہوا کے جھونکے سے کانپتی تھیں، خیال ردِّ دعا تھا گویا
ابھی وہ دن دُور تھا کہ دامن ہوں اُن کے یوں برگ بار سے پُر
کہ بوجھ سے سر جھکا کے یکسر ادا کریں شکرِ گلشن آرا

۲- ازل سے جو میں بنا ہوں بلبل، مزاج بین جستجوئے گل ہے
اسی کا غم ہے، اسی میں راحت اسی سے جینا، اسی پہ مرنا

بلند پروازِ شاہ باز و عقاب کرتے ہیں نکتہ چینی
زمیں کے گل آنے جانے والے ہیں، انکی الفت سے فائدہ کیا؟
جواب دیتا ہوں میں کہ صاحب! ہنر کہاں عیب سے ہے خالی؟
شکار بھی کیا بجا ہے مثلاً، محبتِ گُل اگر ہے بے جا

۳۔ جہاں میں جاتا ہوں ساتھ جاتا ہے جیسے دریا کے ساتھ پانی
شریک اندوہِ انتظارِ بہار اک ہم صفیر میرا
سنا ہے میں نے کہا یہ اُس سے "کبھی ہمارا چمن تھا خنداں
تمام دنیا سے تھا نرالا، تمام ہندوستاں میں یکتا
علوم کے گل تھے پیلے پیلے، گلِ تصوف تھے آسماں گوں
کہیں کہیں رزم و بزم کے بھی، قلیل کچھ لالہ ہائے حمرا
اُمید رہے پھر وہی سماں ہو، یہ باغ پھر غیرتِ جناں ہو
بہار کی پھر ہے آمد آمد، خزاں گئی، جا رہا ہے جاڑا

مگر یہ ہوگا تو ہم نہ ہوں گے، ابھی وہ ساماں بہم نہ ہونگے
ہماری ایسی کہاں ہے قسمت، حیات کا بھی نہیں بھروسہ
مناسب اب ہے کہ بن بلائے ہم اپنے صیاد کے ہوں مہماں
"نہیں یہ دیکھو خدا کی قدرت"! مرا رفیق شفیق بولا!

۴- جو مڑ کے دیکھوں تو فی الحقیقت "تلطفِ باغباں کا ممنوں
پرانی اک شاخ سے لپٹ جو لگا ہے چھوٹا سا ایک بوٹا
زمیں ہوا، دھوپ اور پانی دئے ہیں قدرت نے درمیانہ
نہ اُن کی قلت سے کوئی نقصان، نہ اُن کی کثرت کا کوئی کھٹکا
ابھی یہ اک غنچہ نیم وا ہے، کرشمہ صنعتِ خدا ہے
ابھی ابھی آسماں سے اُترا ہے گویا امید کا فرشتہ
لبِ تبسم فشاں کی خوبی با وہانِ نازک کی وہ فصاحت
پیامِ گل اُس سے صاف ظاہر زباں ابھی گو نہیں ہے گویا

اگرچہ اپنے چمن سے باہر گئی نہیں اُسکی بوئے دِل کش
محبّت و علم حق شناسی اِکٹھی سے ہیں رنگ میں ہویدا
گلاب اور جعفری ہیں باہر تو درمیان ایک سنبلستان
بعینہٖ جیسے گر بیوں کے جھمیلے میں شیام جی کی لیلا
اُسے جو دیکھا تو دل کو ڈھارس ہوئی کہ پالے مراد پائی
یہ گل ہزاروں کا پیش خیمہ ہے، جیسے بارش کا پہلا قطرہ

۵۔ "آخری پیام" کے نام

اب آدھی رات ہے، دیکھو فرشتگانِ خیال

وہ سو گیا ہو تو یک دم نہیں جگا دینا

فقط نکال کے خوابِ گراں سے آہستہ

کسی طرح اُسے "خوابِ سبک" میں لا دینا

گلِ خزاں زدہ و گردِ منزلِ غربت

سرشکِ شمعِ سحر سے انہیں ملا دینا

دکھا کے میری اسی آب و رنگ میں تصویر

زبانِ حال سے میری، اُسے بتا دینا

کہ "اے عزیز! میں غربت سے اب ہوں اکتایا

یہاں سے رخت مناسب ہے اب اٹھا دینا

جہاں کے عیش کو میں لات مار سکتا ہوں
مگر کٹھن ہے نزی یاد کو بھلا دینا
ستارہ بن کے ہیں آؤ لگانا بداں سے ترے
خدا کے واسطے مکھڑا نہ تب چھپا دینا
جہاں کے باغ میں اے میرے غنچۂ امید!
شمیمِ خلقِ نکو خلق کو سنگھا دینا
"اگر پدر نتواند لبہر تمام کند"
مرے بگاڑے ہوئے کام تم بنا دینا
حصولِ علم سے حسنِ عمل ہیں کسبِ کمال
مجھے نہیں تو مری قوم کو دکھا دینا
مری غریبی و افتادگی جو یاد آجائے
دلِ شکستہ کو ہمت کی مومیا دینا

بدی کو بھول کے نیکی بُرے بھلے سے کرو

خدا کے ہاتھ ہے سب کو سزا جزا دینا

وفائے عہد و ادب ہاں وفائے عہد و ادب!

بھلاؤ ان کو تو پہلے مجھے بھلا دینا

بلا کے مجھ کو تصوّر میں سامنے ہر سال

تم اپنی بنسی پہ گیتا ذرا سنا دینا

۶۔ رام کو الوداع

ٹھہریئے، وقت ہے جانے میں ہوئی دیر نہیں

آپ کے تشنۂ دیدار ہوئے سیر نہیں

چشمِ پُر آب سے ہے اشک بہانا باقی

شکریہ کا بھی ابھی گیت ہے گانا باقی

آپ کا وقت تھا ہم اہلِ تمنّا کے لئے

رام کا راج جو تھا اہلِ اجودھیا کے لئے

کھولنا سینۂ ہنومان کی طرح مشکل ہے

ورنہ یہ نام یہاں نقشِ نگینِ دل ہے

علمِ تعلیم کے اس ملک میں ماہر ہیں بہت

فنِ تدریس کے استاد بظاہر ہیں بہت

آپ میں اور بھی کچھ ہے کہ وہ اوروں میں نہیں
دل نہیں وہ خون ہے جو ہاتھوں میں پیروں میں نہیں

چوٹ لگتی ہے جدائی سے جب اپنے دل پر
تھامتے ہیں اُسے ہم ایسے دلائل دے کر
کیوں شکایت کریں قسمت کی ہمیں غم کیا ہے؟
مستفید اور ہوں ہم سے یہ خوشی کم کیا ہے
گھر میں رہتے ہوئے بیقدر رہنر ہوتا ہے
باعث عزّت و توقیر سفر ہوتا ہے
اس لئے کان سے زر، لعلِ یمن سے نکلے
بوئے گُل باغ سے اور ... رام وطن سے نکلے

آپ تنہا نہیں جاتے ہیں یہاں سے باہر
آپ کے ساتھ رواں ہوگا دلوں کا لشکر
یہ یقین ہے کہ جہاں رام ہمارے ہونگے
حسنِ اخلاق سے ہر قوم کو پیارے ہونگے
اہلِ جموّں کو دکھا کر وہ کمال آئیں گے
رام کی طرح بصد جاہ و جلال آئیں گے

۷۔ حُبِّ وطن (ترجمہ)

جذبات جو خدا نے ہیں جاندار کو دئے
مخصوص وہ نہیں دلِ انسان کے لئے
طوطا کوئی تھا جس کے چمکتے تھے بال و پر
بچپن ہی سے اسیر ہوا تھا وہ بے خبر
صیّاد اُسے جزائر ہسپانیہ سے دُور
لائے کے ملک سرد میں لائے تھے بے قصور
اس کے وطن میں باغ جو تھے پُر مصالحات
وہ آسمان صاف، وہ دھوپ اور میوہ جات
(رنگین قبا تھی جن کی بدولت ملی اُسے)
اُن سب کو خیرباد کہا تھا غریب نے

ان کی جگہ ملا تھا یہاں گھاس کا دھواں
پُر خار و خس زمین تھی، دھندلا تھا آسماں
وہ سنگلاخ اور وہ دریائے موج خیز
سب دیکھ کر غریب کی آنکھیں تھیں اشک ریز

اچھی غذا سے (گرچہ وہ اقلیم سرد تھا)
خاصا پلا دو اور رہا زندہ سالہا
جب تک کہ آہ! اس کے وہ زرفام سبز پر
خاکستری ہوئے کہ بڑھاپے کا تھا اثر
اندھا ہوا غریب، بظاہر تھا بستہ لب
بولی، مذاق، قہقہہ بھولا تھا سب کا سب

اک روز آگیا تھا کوئی شخص ناگہاں

اُس کے وطن جزائرِ اسپین سے وہاں

طائر کو اُس نے اپنی زباں میں کیا سلام

طائر نے بھی اسی میں جو اُس کا کیا کلام

رقصاں و پر فشاں وہیں گردِ قفس پھرا

نعرہ خوشی کا مارا۔ گرا۔ جاں بحق ہوا

بچّو! یہ جوشِ حُبِّ وطن جانور میں تھا

انساں میں گر نہ ہو تو وہ وحشی سے ہے بُرا

۸۔ جناب سپرو کی تشریف آوری پر

۱۔ مکاں کی بسکہ شوکت منحصر شانِ مکیں پر ہے
دماغِ خاکِ کشمیر آج چرخِ ہفتمیں پر ہے
کہ فخرِ قوم کا نقشِ قدم اُس کی زمیں پر ہے
جہاں میں فیض گستر زندگانی ہو تو ایسی ہو

۲۔ جب اپنے سرپرست اس عرشِ عظمت کے ستارے ہیں
ہماری مادرِ کشمیر کی آنکھوں کے تارے ہیں
کہا کس نے کہ ہم افتادہ ہیں، آفت کے مارے ہیں
اشارے میں ذرا اپنی کہانی ہو تو ایسی ہو

۹۔ جشنِ تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱ء

اے ملکِ دل کے سرور، ہندوستان کے قیصر

لطفِ خدا کے مظہر، راہِ خدا کے رہبر

انگلینڈ و ہند تیرے سایہ میں ہو رہے ہیں

چشم و چراغ مغرب، مشرق کے تاج و افسر

ہمدردی و مروّت، خوش خلقی و دیانت

تعلیم کی اشاعت سکھلا رہی ہے گھر گھر

آزادیٔ تجارت اور اختراعِ صنعت

زرخیزیٔ زراعت ایک ایک سے ہے بہتر

اس راج کی بدولت مرمر کے جی اٹھے ہیں

احساں ہیں ہندیوں پر تیرے بیاں سے باہر

معمورِ صلحِ کُل سے عیسائیوں کے گرجے

اسلام کی مساجد اور ہندوؤں کے مندر

فیضِ قدم سے تیرے اللہ رے سربلندی

لنڈن رہا نہ پیرس دہلی کا آج ہمسر

رعب و جلال تیرا آنکھوں پہ چھا رہا ہے

ہے موجزن محبت تری دلوں کے اندر

برساتے ہیں ملوکِ پیشینہ آسماں سے

تحسین کے پھول تیرے آئین سلطنت پر

دانش پہ تیری نازاں برطانیہ کا الفرڈ

یونان کا سکندر، ہندوستان کا اکبر

کیونکر نہ ہو ترقی جب صلحِ کل ہو سکہ

یا ذرِ رضائے داور فتحِ قلوب لشکر

"آسائش دو گیتی تفسیر این دو حرف ست"

از بندگاں اطاعت' رافت ز بندہ پرور

تشریف سے ہے تیری ہندوستاں مشرّف

بے ساختہ دعا ہے ہر فرد کی زباں پر

ہندوستاں پہ تیرے الطاف کی نظر ہو

سارا جہاں ہو تیرا گرویدہ و مسخّر!

تاریخ سالِ ہندی ہے بے گماں مبارک

دربارِ تاجپوشیٔ ہندوستاں مبارک!

۱۹۶۸ بکرمی سنہ

۱۰۔ سیلف گورنمنٹ

جلسہ زیرِ صدارت راجہ دلجیت سنگھ

اس انجمن کا جلسہ اہلِ وطن مبارک — اس صدر کی صدارت اے انجمن مبارک

پھر موسمِ خزاں میں دیکھی بہارِ نازہ — یہ باغباں کی محنت ہاں اے چمن مبارک

مدت ہوئی کہ مجھ کو یہ خواب آ رہے تھے

غنچوں میں بند یہ گُل جھانکی دکھا رہے تھے

"معمارِ قوم" پڑھکر اک شب جو نیند آئی — صورت خیال نے یہ اک خواب میں دکھائی

جلدِ عظیم ہے اک تاریخ کاشمر کی — اوراق جس کے آگے پیچھے ہیں سب طلائی

تقطیع میں یہاں کے میدان سے بڑی ہے

دستِ دعا کی صورت بکھر کھلی پڑی ہے

حائے حروف ہمیں نقش و نگار ہیں سب
برعکس صورتوں کے مصروف کار ہیں سب

منزل نشین عزت خود مالک مکاں ہے
اس کے بہت ہیں بچے اور ہونہار ہیں سب

وہ سربلا کے باہم تدبیر کر رہے ہیں
نوطرز اک عمارت تعمیر کر رہے ہیں

ہر دل کی ہے تمنا بس شاندار ہو یہ
تاریخ میں عمارت کی یادگار ہو یہ

وسعت میں اک جہاں ہو رفعت میں آسماں ہو
بنیاد میں ہمالہ ہو پائدار ہو یہ

کلہن کے پیروؤں نے ہیں کھود کر نکالے
نقشے عمارتوں کے اوراق ماضیہ سے

مد نظر ہیں وہ بھی مغرب کے بھی ہیں فوٹو
تہذا صفا کی وسے ہوں ہمیں نو بہلو

مالک نے ہر جگہ کے استاد ہیں منگائے
انعام پارہے ہیں کاریگرانِ خوش خو

سرداران کے کتنے ایسے ہی کام کرکے
آئے ہیں ہند بھر کے راجوں میں نام کرکے

ماتحت جو ہیں اُنکے صنعت گران کامل — نقلبند کرکے اُنکی بالاتفاق و یکدل

سکھلاتے ہیں مکیں کو اپنا مکاں بنانا — دو نوجواں ہیں جس سے ہوں آفریں کے قابل

یہ ذوق و شوق ثمرہ اس انتظام کا ہے

اہل مکاں نے حصۂ تعمیر میں لیا ہے

جب سے یہ خواب دیکھا کہتا ہوں میں کہ یارب — تعبیر کیا ہے اسکی کیا انتہائے مطلب؟

کیا وہ بھی ہونگے دن جب فی الواقعہ یہی ہو؟ — ہونگے تو کسطرح سے؟ کسکی مدد سے اور کب؟

دل کہہ رہا ہے میرا یوں عنقریب ہوگا

قدرت کا اک کرشمہ بالکل عجیب ہوگا

۱۱۔ شورا تری (اخبار "وقت" میں چھپا تھا)

"وقت" کے اسے پڑھنے والو مبارک

تمہیں روز شورا تری ہو مبارک

مجھے یاد آتے ہیں بچپن کے وہ دن

کہ کچھ ہفتے پہلے سے طفلانِ کم سن

خوشی سے نہ تھے پیرہن میں سماتے

کہ ہیں پیاری "ہیرت" کے دن آئے جاتے

حویلی ہر اک بقعۂ نور ہو گی

سیاہی زمستاں کی کافور ہو گی

ملے گی کئی دن کی مکتب سے رخصت

نہ ہو گی ذرا لکھنے پڑھنے کی زحمت

کبھی گیند کھیلیں گے پربت میں جا کر
کبھی گوڑیوں سے کسی دوست کے گھر
نئے اور دُھلے کپڑے پھر کاٹینگے ہم
ضیافت کئی روز تک کھائیں گے ہم
ملیں گے عزیزوں سے اور اقربا سے
ہمیں وہ تو ہم ان کو مدعو کریں گے
ملیں گے بہت خرچ کرنے کو پیسے
کھلونے خریدیں گے پھر کیسے کیسے!

مگر فی زمانا یہ باتیں کہاں ہیں
وہ دن کیا ہوئے اور وہ راتیں کہاں ہیں؟
زمانے نے یک لخت پلٹا جو کھایا
ہوا کیا سے کیا ہے، پر بھو اتیری مایا
نہ بچّوں کے چہروں پہ ہے رنگِ فرحت
نہ ماں باپ کو سازو برگِ فراغت

وہاں امتحانوں میں رہ جانے کا ڈر
یہاں زد میں تخفیف کی آنے کا ڈر
اُدھر نخوت و فیشن و فاقہ مستی
ادھر ضعف و بے کاری و تنگدستی
نہیں عیش ملکی پہ بھی جن کو قدرت
دکھاتے ہیں وہ شانِ عیشِ ولایت
غضب اس پہ ہے بدمعاشوں کی کثرت
فقط کام جن کا ہے شر و شرارت
نہ محفوظ ہے ان سے دیں اور نہ دولت
نہ جاں مرد کی اور نہ عورت کی عصمت
نہ بوڑھے پہ رحم اور نہ بچے پہ شفقت
نہ خوف خدا ہے نہ رعب حکومت
کسی گھر میں سونا ہے گر چند تولے
تو لے خوف سونے سے وہ ہاتھ دھولے

غرض وقت عشرت نہیں اب "بڑا دن"
نہ ہو امن تو عیش کیوں کر ہو ممکن
مناسب ہے اب یہ کہ شورا تری میں
تضرّع کریں درگہ ایزدی میں
کہ یارب اماں امن سوزوں کے شر سے
ابھرا نہ عیّاشیوں کے اثر سے
کرم سے تو گلخن کو پھر گلستاں کر
رشی بھومی کو رشکِ باغِ جناں کر
دلوں سے کدورت کی کردے صفائی
مسلمان و ہندو ہوں پھر بھائی بھائی
ہر ایک اپنے مذہب کا پابند ہو کر
پھلے پھولے قانع و خورسند ہو کر

۱۲- نوروز و بہار

۱- گلستان و وادی و طرفِ چمن کو — گل و سبزہ و لالہ و نسترن کو
ہر اک ذرّہ خاکِ پاکِ وطن کو — مبارک ہو نوروز بادِ بہاری

۲- مبارک سلامت مبارک سلامت — یہ الفاظ اظہارِ مہر و محبت
بزرگانِ ملّت کی ہے یہ ہدایت — کہ ہوں آج سب کی زبانوں پہ جاری

۳- مہاراجہ نیک دل پاک سیرت — رہیں جاوداں یا الٰہی سلامت!
قلوبِ رعایا پہ ان کی حکومت — بنے مایۂ نازشِ تاجداری

۴- خدا قوم کو اپنی توفیق بخشے — کہ آنکھوں سے پندار کا پردہ اُترے
امیری و اسراف کا فرق سمجھے — سمجھ لے کہ بے کاری ہے نابکاری

۵- مشقت دوائے تنِ نیم جاں ہے — ریاضت توانا کنِ ناتواں ہے
وہ شے جس میں رازِ امارت نہاں ہے — تجارت ہے یا صنعت و دستکاری

۶- خدا نے عطا کی ہے جن کو حکومت — سمجھ لیں کہ انصاف و رحم و مروّت
حقیقت کی رو سے ہے فوق العبادت — طریقِ نکوکاری و رستگاری

۷۔ غریبوں کی نانِ شبینہ گھٹا کر   ہر وقت نہیں عیش کرنا میسر
امیروں کو اس سے ہے سو بار بہتر   کہ اپنی ہی کچھ کم کریں کامگاری

۸۔ غنیمت ہے پھر یہ زمانہ کا چکر   کہ ہر سال وقتِ عمل مفت کھو کر
وظیفہ اسے مان کر سالِ دیگر   پھر اس کی ہی کرتے ہیں امیدواری

۹۔ جہاں برف تھی روکشِ سنگ خارا   ہے اسکی بدولت وہاں جل کی دھارا!
کہیں آبشار اور کہیں ہے فوارہ   گل و سبزہ کی کرتے ہیں آبیاری

۱۰۔ کہو سالِ نو! بعد مدت جو آئے   ہمارے لئے اب کے کیا ساتھ لائے؟
بغل میں وہ رکھا ہے کیا کچھ چھپائے؟   چلو کھول دو، ہو چکی پردہ داری

۱۱۔ نئی کوششیں ہیں، نئی محنتیں ہیں   گئی مہلتوں کی نئی صورتیں ہیں
نئی طرز کے حل، نئی دقتیں ہیں   کرو ان سے پھر امتحان کی تیاری

۱۲۔ مکرر سنو اور احسانِ محسن   کہ آئندہ گرما میں تعطیل کے دن
کرو سیرِ کشمیر جنت قرائن   شکارہ کی ناؤ اب ڈل میں سواری

مبارک ہو نوروز و بادِ بہاری

۱۳- سفر میں نوروز مناؤ

"نورہ" کی شان جب تھی کہ فصل بہار میں
مل بیٹھتے تھے جا کے کسی سبزہ زار میں
تالاب ڈل سے آتے تھے جھونکے نسیم کے
سرمست باغ یاسمن شالمار میں
حدِ نشاط یہ تھی کہ دو جام چائے کے
کرتے تھے نوش سایۂ بید و چنار میں
محسوس کرتے نغمۂ فطرت کا تال سُر
آوازِ طائرِ چمن و آبشار میں
رازونیاز سنتے تھے "بھونرے کے گیت کا"[1]
پوشیدہ پوشنول کی دل کش پکار میں

[1] بھاگوت میں ایک گیت ہے۔

فردوسِ چشم نرگس و بادام کی بہار
پربت ہیں باغِ پکھرہ بل و گوپکار ہیں

دور فلک سے آہ! اب اپنے وطن سے دور
پھرتے ہیں منتشر طلب روزگار میں
دشت و جبل میں، ریت میں، بادِ سموم میں
ہے لاہور میں جو باپ تو بیٹا ہے ڈھار میں
روشن ہے یہ طریقِ عمل اہلِ عقل پر
لازم ہے جو زمانہ ناسازگار میں
ہرگز کہیں جدا نہ رہو تم سماج سے
کہنے نہ پائیں غیر کہ ہو کس قطار میں؟
اک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر بڑھے چلو
امداد غیر کے نہ رہو انتظار میں

مردوں پہ سرد و گرم گزرتا ہے صبر سے
اک روز نور جلوہ دکھائے گا نار میں

مٹنے نہ دو رسوم و روایات قوم کو
دس بیس بھی جو اہل وطن ہوں دیار میں

کاغذ کے پھول جوڑ دو شاخ قوم پہ
گلشن کی یاد تازہ کرو خار زار میں

ثابت! بس! اب تو وعظ میں سعدی سے بڑھ چلے
خوبی تمہاری نظم کی ہے اختصار میں

۱۴- کلرکی محرر کی زبانی (مذاقیہ)

ہمیں کچھ ضرورت نہیں مال و زر کی ہمیں کوئی خواہش نہیں کرّ و فر کی
دعا ہے ہماری یہ شام و سحر کی ہمیں یا الٰہی عطا کر کلرکی

اہو ہو کلرکی - اہا ہا کلرکی!

نہ سمجھو ہے بیکس بیچاری کلرکی کلرکی کے ہم ہیں ہماری کلرکی
نہ چھوڑیں گے ہم اپنی پیاری کلرکی اگر اس میں دنیا اِدھر ہو اُدھر کی

اہو ہو کلرکی - اہا ہا کلرکی!

فوائد کلرکی کے لکھنا ہے مشکل کہ ہے شرح و تفسیر و توضیح کامل
سمجھ میں نہ آئیں گے اسکے مسائل کسی ڈھب سے عالی وقار افسر کی

اہو ہو کلرکی - اہا ہا کلرکی!

سنو فائدے - نمبر اوّل قناعت دوم یادِ مرگ، اور سوم ترکِ لذت
چہارم عبادت تو پنجم ہے محنت غرض خوبیاں ہیں گلستان بھر کی

اہو ہو کلرکی - اہا ہا کلرکی!

گلستانِ سعدی کو سب جانتے ہیں   نصیحت میں سب شیخ کو مانتے ہیں
قناعت کو دولت وہ گردانتے ہیں   یہی ہے جو دولت تو باندی ہے گھر کی

اہو ہو کلر کی ۔ اہا ہا کلر کی !

قناعت

کفایت کرے جیسے سالک کو گینا   شکاری کو نوفٹ کا بنگالی چیتا
محرّر کو دو چار گز سُرخ فیتہ   کمائی ہے کافی یہی عمر بھر کی

اہو ہو کلر کی ۔ اہا ہا کلر کی !

یادِ مرگ

ریڈکشن[1] جو گفتگو سو بسو ہے   یہی تیغ[3] داماکلِس ہو بہو ہے
کہ اوپر لٹکتی یہ یک تارِ مو ہے   مثل ٹھیک ہے بھیڑ[4] کی بیر بر کی

اہو ہو کلر کی ۔ اہا ہا کلر کی !

نوٹ :- (۱) REDUCTION (۲) REDTAPE
(۳) DEMOCLES SWORD (۴) اکبر اعظم کے ظریف وزیر پنڈت بیربر ایک بھیڑ کو خوب کھلاتے تھے مگر پاس ہی ایک چیتا پنجرے میں بند رکھتے تھے تاکہ بھیڑ کھا کر موٹا نہ ہو جائے ۔

ترکِ لذّت

نہیں دودھ مکھن کی میوہ کی عادت
لڑکپن سے تھی ایسی عشرت سے نفرت

ہمارے لئے ہے یہ اعلےٰ ضیافت
کٹوری جو مل جائے آلو مٹر کی

اہو ہو کلرک کی ! اہا ہا کلرک کی

ڈرائے نہ تا فکر بچوّں کی گھر کی
سنائے نہ تا ہم کو کلفت سفر کی

خبر آئے جب گھر سے کچھ خیر شر کی
محافظ ہے دیوار ہیڈ کوارٹر[1] کی

اہو ہو کلرک کی ! اہا ہا کلرک کی

اطاعت

سدا "ست بچن جی" "حضور" اور "بہتر"
سدا "یس سر[2]" اور سدا "ویری ویل[3] سر"

جھکا سر ہو آنکھیں ہوں فرشِ زمیں پر
اطاعت خدا سے زیادہ بشر کی

اہو ہو کلرک کی ! اہا ہا کلرک کی

نوٹ :- ۱؎ Head Quarter یعنی یہ پابندی کہ کوئی کلرک جموں سے کشمیر نہ جائے۔

۲؎ yes sir, very well جی حضور یا بسر و چشم ایسے الفاظ کا زبان پر ہونا۔

۳؎ خرگوش دوڑتا ہے پھر ٹھہرتا ہے کچھوا آہستہ آہستہ اپنا بوجھ لے کر چلتا ہے۔

محنت

وہ خرگوش کی چال دفتر کو جانا — وہاں شام تک کام میں جی لگانا
اندھیرے میں کچھوے کی مانند آنا — بغل میں لئے نوکری ایریر کی

اہو ہو کلرک کی! اہا ہا کلرک کی

مزدوری محنت

یہ کیا کم ہے ان پیڈ سے پیڈ بھی ہے — بفضل خدا تیس کا گریڈ بھی ہے
ترقی کی امید اک شیڈ بھی ہے — منسٹر سے کیا ہے کمی دو صفر کی

اہو ہو کلرک کی! اہا ہا کلرک کی

مکرر نہیں مانگتا ایکس ٹن شن — کرے کس لئے اپنی سروس بھی پین شن
کہ ہوتی نہیں اسکو پروائے پین شن — جو مل جائے تو فیس ہو ڈاکٹر کی

اہو ہو کلرک کی! اہا ہا کلرک کی

ARREAR — ۷

unpaid
paid

نوٹ:- Shade — یعنی بہت ہی کم۔

EXTENSION

وہ تین ہزار تنخواہ لیتے ہیں یہ تیس۔ دو صفر کا فرق کیا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔

خاتمہ

لگا ہے مجھے بسکہ دفتر کا دھندا　　زیادہ نہیں فرصت زہر خندہ
لہذا یہیں ختم کرتا ہے بندہ　　مرے دوستو داد دو مختصر کی
اہو ہو کلہ کی! اہاہا کلہ کی

۱۵- وقت رواں

ایسی تعجیل میں کیوں وقت رواں جاتا ہے؟
سچ بتا ہم سے گذر کر تو کہاں جاتا ہے؟
روپ تیرا تو کسی آنکھ نے کم دیکھا ہے
جس نے دیکھا ہے۔ یہی تیرا قدم دیکھا ہے
ساعت و روز و مہ و سال قدم ہیں تیرے
اپنے تیوہار قدوم پئے ہم ہیں تیرے
بھولتے ہم ہیں جو سُن پاتے ہیں آنا تیرا
بھولتے ہیں کہ ہے آنا تیرا' جانا تیرا
تو سدا اپنی روانی میں بہا جاتا ہے
موج دریا کی طرح آگے بڑھا جاتا ہے

ذوقِ پرواز ترا ہم پہ ستم ہوتا ہے
کچھ تو کہہ کیا سبب وحشت و رم ہوتا ہے
زندگی ہم تجھے سمجھے تو ہمارا نہ ہوا
سچ کہا ہے کہ یہاں کوئی کسی کا نہ ہوا
بس سنبھل ثابتؔ مدہوش! کدھر جا نکلا؟
نوحۂ وقت سے کب کام کسی کا نکلا؟
دل کو اس حسرتِ بے سود سے آزاد تو کر
گفتۂ حافظِ شیرازؒ ذرا یاد تو کر
"مزرعِ سبزِ فلک دیدم و داس مہِ نو
یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگامِ درو"
جو کبھی مخلوق ہیں مغلوبِ اجل ہوتے ہیں
ہیں مبارک وہ جو مصروفِ عمل ہوتے ہیں
ہر نیا روز ہے نوروز زراعت کے لئے
پیری و موت نہیں صاحبِ ہمّت کے لئے

قوم کو اپنی بتا دے کہ ذرا ہو بیدار
جس میں اعضائے معطّل کا ہزاروں ہے شمار
اُس کے آبا تھے زمانے کو سکھانے والے
خاکساری میں خبر عرش کی لانے والے
نوکری چھٹ گئی تو ذہن وذکا ہے باقی
ایک در بند سہی۔ ملکِ خدا ہے باقی
نوکری پر وہ بہت اشک بہاتے نہ رہیں
طلبِ[۱] دُم میں کہیں کان بھی جاتے نہ رہیں
چھوڑ کر سستی و پستی وہ کوئی کام کریں
کل جو کرنا ہی پڑے گا وہ ابھی سے کر لیں
"مشکلے زیرِ فلک نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ پریشاں و ہراساں نہ شود"
یا الٰہی! تو ہمیں دولتِ ہمّت دیدے
طاقتِ محنت و شہزوری جرأت دیدے!

---

[۱] بے چارہ خر آرزوئے دُم کرد در دُم طلبی دو گوش گم کرد

قوم ہو یک دلی و یک جہتی سے آباد
گرچہ جرأت ہیں ہو ہر فرد بہر نوع آزاد
اس کا ہر روز ہو نوروز مبارک ہر سال
اس کی ہر شب شب شورات سی ہو فرخ فال

یہ نظم اسوقت پڑھی گئی تھی۔ جب ایک ایم۔ اے پاس ہندو نے تیس روپیہ ماہوار پر ملازمت قبول کی تھی۔ ان دنوں تنخواہات سے دس فیصدی وضع کرتے تھے۔ سب کو رنج ہوا تھا۔

۱۶- ایم۔ اے کی سند

چشم خیال وا جو ہوئی ملک خواب میں
کہتا تھا اک جوان عجب پیچ و تاب میں
اے اہل زر غریب کا سودا خرید لو
• ٹھنڈا بڑا ہے جو مجھے سستا خرید لو
ایم۔ اے کی یہ سند ہے بڑی قیمتی ہے چیز
میری نظر میں صحت و دولت سے تھی عزیز

سب کچھ مرا یہی ہے۔ خدارا خرید لو
مجھ کو خرید لو۔ جو یہ سودا خرید لو
کن کاوشوں میں آہ! گذارے ہیں بیس سال
آنکھیں خراب ہو گئیں۔ معدہ ہوا وبال
سنتی سالگی میں ہو گئے آدھے سفید بال
خونِ جگر کے صرف سے حاصل ہوا یہ مال
آپ اس کا تیس دیتے ہیں انصاف کیجئے!
عسرت کا روسیاہ ہوا! اچھا تو لیجئے
ہاں دیکھئے کہ تیس پہ دس فیصدی نہ ہو
اور بیس سال پہلے مری واپسی نہ ہو
آ اے مری سند! تجھے اک بار چوم لوں
جی بھر کے دیکھ کر تجھے اللہ کو سونپ دوں
رسوا جو یوں تجھے سرِ بازار کر دیا
تو عفو کر کہ پیٹ نے لاچار کر دیا

کس وقت لائے علم کو بازارِ دہر میں!
مولی کے مول بکتا ہے "شلغم کے شہر[1] میں"
یہ تو معاملہ ہوا دنیائے خواب میں
بیدار مغز کہتے ہیں کیا اس کے باب میں؟
ہے فلسفہ کی رُو سے ادب روح کی غذا
ہے ہے اسے سبب نہ بنانا معاش کا
جُو رِ شکم سے پیٹھ پہ پتھر اُٹھائیے
لیکن ادب کو بیچ کے روٹی نہ کھائیے
حرفہ میں عیب کوئی نہیں ٹیلری سہی
گلکاری و بخاری و آہنگری سہی
ان میں سے اختیار کروگے جو کوئی کام
ایم اے سے چار چند طلب کر سکوگے دام
زر کا بدل جو صنعت و حرفت سے دے سکے
آزادی و وقار کے کوڑے وہ کیوں کرے؟

---

[1] جہاں قیمتی اور کم قیمت چیز میں تمیز نہ ہو۔ اس کو شہر شلغم کہا جاتا ہے
ٹکے سیر گاجر۔ ٹکے سیر کھاجا۔

کیوں جبہ سا ہو کو ڈھیوں پر اہل جاہ کی
سو جبر نہیں بغل میں لئے اک نگاہ کی
"کانانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند"
"سونے کے ہاتھ" جس کے ہوں وہ مہر جڑا کھائے کیوں؟
پیدا کرے اناج تو دشنام[1] کھائے کیوں؟
ہاں ایک ذاتِ خاص کو عادت نے ہے دیا
وہ ذائقہ کہ فطرتِ انساں سے ہے جدا
وہ جنس جس کو تلخ تریں کہتے ہیں عوام
چٹنی بنا نہ کھائے تو منشی نہ رکھے نام

۱۷۔ نوروز کی عظمت (بحر طویل منشی بھوانیہ اس کی طرز)

آج نوروز مبارک ہے نیا سال۔ نیا دورِ زماں۔ عرش سے تا فرش ہے ہر چیز نئی۔ روز و شب و شام و سحر۔ شمس و قمر۔ آب و ہوا نشو و نما سبزہ و گل۔ نرگس و سنبل۔ گل بادام کا ہر باغ فرح بار ہیں۔

---

[1] دشنام۔

ہر وادی و کہسار ہیں۔ ہر جانب ڈل جلوۂ مستانہ بصد عشوۂ جانانہ۔ اثر بادِ بہاری کا ہے چہروں سے عیاں طفل و جواں خندہ کناں۔ مثلِ جوانانِ چمن۔ کرتے ہیں باغات میں گلگشت عزیزانِ وطن۔ زیب بدن سب کے ہے پوشاک نئی تا حدِ مقدور نظر ہوتی ہے مسرور۔ یہ رنگوں کی غضب بوقلمونی۔ شفق و قوسِ قزح۔ نیلی و زنگاری و فیروزی و نارنجی و گلنار و گلابی۔ کوئی طوطا کوئی طاؤس۔ کوئی ہنس۔ اِدھر ساز اُدھر غلغل ساز و سماوار کی آواز۔ ذرا سوچیے کس وجہ سے آغاز ہر اک موسم و ہر سال کا۔ ہر ملت و مذہب میں مبارک ہے۔ بکرم ہے مناسب ہے عبادت کیلئے خیر و سعادت کیلئے۔ شادی و فرحت کیلئے۔ مہر و محبت کے لئے؟

صبح کو ہر روز جو ہم برا اُٹھا کرتے ہیں سند حیا ہیں خداوندِ دو عالم سے کہ جو کام کیا ہم نے شب و روز میں جس طرح نہ کرنا تھا اُسے نقشِ غلط کھینچ دیا صفحۂ اعمال پہ نہ اک طفلِ نو آموز کے مانند اُسے اشکِ ندامت ہر اد دھو ڈالے۔ ترے عفو کی اگنی ہیں۔ ترے مہرِ جہانتاب ہیں وہ بھسم ہو۔ سوا ہا! جو بنا صفحۂ اعمال مجھے صاف ملے۔

اُس پہ نئی ہمّت و جرأت سے کروں مشق رقم خوب تر از نقشِ مؤخر۔ یہی مفہوم یہی ہے سببِ عظمتِ نوروزِ جہاں تک کہ میری موٹی نظر کا ہے گذر۔ عذر پذیرندۂ تقصیر یہ توفیق کرے ہم کو عطا آج کے اس روزِ مبارک سے اسی طرح کریں محو دل و جان سے ہر اک نقشِ غلطِ خشم و غضب۔ حرص و حسد۔ کینہ و کد۔ ان کی جگہ ثبت کریں صلح و صفا عفو و عطا۔ مہر و وفا۔ تاکہ بنے معنی اصلی میں ذرا اور مشابہ بہ گلستانِ جناں گلشنِ فردوس نشان دیس ہمارا۔

۱۰- بہار آئی ہے

جاگ اے زندگیٔ نو! کہ بہار آئی ہے
توسنِ بادِ بہاراں پہ سوار آئی ہے

پاؤں دھونے کیلئے جل لئے پربت سے ندی
دوڑتی کودتی بے صبر و قرار آئی ہے

خامشی میں سے ہویدا جسے کرنا آیا
اتنا ہنگامۂ بے حد و شمار آئی ہے

ہیزمِ خشک سے برگ و گل و رنگ و بو سب
جس نے پیدا کئے وہ شعبدہ کار آئی ہے

صفحۂ ارض پہ صورتگرِ بے مثل و نظیر
ثبت کرنے کو نئے نقش و نگار آئی ہے

جس حسینہ کے رُخ و زُلف میں نور و ظلمات
اُسکی خاطر یہ نیا لیکے سنگار آئی ہے

مشک و عنبر سے اِدھر غازہ و صندل سے اُدھر
حسن افزا سے رُخ و زلفِ نگار آئی ہے

آگ پانی میں لگی ہے کہ شفق پھولی ہے
پیشِ آئینہ جو یہ لالہ عذار آئی ہے

رونقِ بزمگہ ناز و نیازِ صد رنگ
ساتھ لیکر گل و گلبانگ ہزار آئی ہے

آتشِ شوق جواں شعلہ فگن ہے اس سے
حسنِ نوخیز کی یہ آئینہ دار آئی ہے

دانشِ پیر بھی محروم نہیں بادِ بہار
خاکِ افسردہ میں جو پائے شرار آئی ہے

آجکل گوشہ گزیں کیوں ہے کوئی طالبِ یار
جبکہ مطلوب کی باہر سے پکار آئی ہے؟

سینۂ ارض سے اک لہرِ حیاتِ نو کی
اُس کے بچوں کی طرف دودھ کی دھار آئی ہے

مامتا اسکی صبا بن کے مسرت لائیں
نونہالوں میں لیے بوس و کنار آئی ہے

گر نہ شے مہرِ زمیں سے متأثر ہو کر
شاخِ گل سوئی زمیں شکر گزار آئی ہے

سبزۂ خفتہ کے چہرے پہ چھڑکنے کو بہار
دستِ شفقت میں لئے ہلکی پھوار آئی ہے

خوابِ بے ذوقی و پستی سے جگانے کو تجھے
شبنمِ چشم لئے بلبلِ زار آئی ہے

"کہ اے خفتۂ اسرار بالشِ غفلت بردار
حیف باشد کہ تو در خوابی و نرگس بیدار"

پھر بھی بندوں کی یہ دولت ہے کہ گھبراتے ہیں
نام بیداری کا گر خواب میں سن پاتے ہیں

زندگی یہ بھی ہے گویا کہ سلیپر کی طرح
وقت کی موج پہ بے جان بہے جاتے ہیں

فطرتاً دل کبھی تڑپا تو دبایا ہم نے — زندگی دل کی جو تھی اُس سے بچایا ہم نے

دل کو گر ایسا نکمّا نہ بنایا ہوتا — اس خودی کا یہ خدا کیا نہ بنایا ہوتا!

عالم و عارفِ فرزانہ بنایا ہوتا — عامل و کامل و مستانہ بنایا ہوتا!

گیسوئے فلسفہ کا شانہ بنایا ہوتا — شعلۂ حُسن کا پروانہ بنایا ہوتا!

مئے توحید کا پیمانہ بنایا ہوتا — کاش! خشتِ خُمِ میخانہ بنایا ہوتا!

علمِ اسرار کے نازونکی خریداری میں — خواہشِ سُود کو بیجا نہ بنایا ہوتا!

جو عناصر مری ترکیب میں کام آئے تھے — اُن سے اک گوہرِ یکدانہ بنایا ہوتا!

ہائے! بے ذوق خدایا نہ بنایا ہوتا — جب میں کچھ بن نہ سکا تھا.. بنہ بنایا ہوتا!

اپنی راحت پہ قناعت؟ یہ قناعت ناقص! — یا بہ ایمانِ سلامت؟ یہ سلامت ناقص!

بال بچوں کی محبت؟ بہت اچھی لیکن — گھر کی دیوار سے محدود مروّت ناقص!

چاہ میں بند رہے آب تو سڑ جاتا ہے — کھیت پر پھیلے تو دہقان کے کام آتا ہے

آتما پریم ہی ویدانت کی اُگتی ہی یہی — پریم کی لہر نہ ہو بند تو مُکتی ہے یہی

گھر، وطن، نوعِ بشر، کلِّ ظہورِ قدرت — سب پہ حاوی ہو تو پھر بیج پہ جُگتی ہے یہی

ہائے خوابیدۂ ما را تگ و تاز دے یا رب!

دلِ یخ بستۂ ما صرفِ گداز دے یا رب!

۱۹- کاروانِ مواسم

سالِ گذشتہ چل لیا - سالِ رواں کا دور ہے
حالِ جہاں - رنگِ زماں تب اور تھا اب اور ہے
یونہی یہ روز و ماہ و سال آتے بھی ہیں جاتے بھی ہیں
سامان خیر و شر بھی لاتے بھی لے جاتے بھی ہیں
یعنی بہارِ باغِ دل عشرت نصیبوں کے لئے
سوز و گداز و داغِ دل حسرت نصیبوں کے لئے
لیتا نہیں ہے وقت دم رکتا نہیں اُس کا قدم

اس کاروان سالار سے ہر دم یہ آتی ہے صدا
(اور سننے والے سنتے ہیں ہر سانس میں بانگِ درا)
ہاں قافلہ والو چلو آگے چلو آگے بڑھو
منزل نہایت دُور ہے ہر چند سب سے دور ہیں
سمجھا ہے مجھکو فلسفی مجھکو بھی کچھ دکھتا نہیں

اس راہ کے آغاز یا انجام کا نام و نشاں
رستہ ہی رستہ ہے یہاں رستہ ہے یا یہ کارواں
"ہاں قافلہ والو چلو۔ آگے بڑھو بڑھتے چلو"

سال گذشتہ پر خدا رحمت کرے اِفیاض تھا
دس فیصدی کٹ اُٹھ گیا۔ بابِ ترقی وا ہوا
تخفیف گو تھی لازمی پر اب کے ہمدردانہ تھی
پھر دیکھئے اس سال کی یہ ہمّتِ مردانہ تھی
جس سے بہادر بن گئے اک بے بہادر قوم کے[1]

بالفرض اگر یہ ایک ہی احسان کیا کچھ کم نہ تھا
اس با مروّت نے مگر ان سے بڑے اک سورما
لاکر جنوبی ہند سے ہم کو دئے ہپ ہپ ہرے!
اک ناتواں کو داغ دل گو جاتے جاتے دے گیا
چنداں نہ تھی اس کی خطا۔ تقدیر سے مجبور تھا

---
[1] یعنی رائے بہادر ہو گئے۔

اے لو! سواری آگئی نوروز فرخ فال کی
کھلنے لگی دل کی کلی مٹنے لگی افسردگی
کشمیر کے سب مرد و زن خورد و کلاں مسرور ہو
پہنے ہوئے پوشاک نو، دوڑے ہیں استقبال کو
لوئی کسی نے پھینک دی، چھوڑی کسی نے کانگڑی
وہ جس کی راہیں دیکھتے چلے گذارے آگیا!
شورِ مبارکباد سے گونجی فضا صد مرحبا!
اے تازہ دارِ زندگی! خوش آمدی۔ خوش آمدی!
بادِ بہاری پیشرو پنکھا ہلاتی جاتی ہے
باجا بجاتی جاتی ہے، خوشبو اڑاتی جاتی ہے
ہمدوش ہے گل پیرہن۔ گل پاش پھولوں کی پری
نازک بدن رنگین ادا۔ اللہ رے شانِ دلبری
کیا نازِ محبوبانہ ہے! انداز کیا جانانہ ہے

زاں بعد گرما و خزاں - ہاتھوں میں لاکھوں تھال ہیں
اجناس اور اثمار کی نعمت سے مالا مال ہیں
ہے ساتھ اُن کے "کام دُھک" بہتات ماکولات کی
قایم ہے جس پر یہ زمیں اور زلیست حیوانات کی
ہر سمت پھینکے جاتے ہیں برگ و گل و بیخ و ثمر
دیتے ہیں سب کو دعوتیں داتا کے دستر خوان پر
کھاؤ پیو پھولو پھلو - پر شرط ہے محنت کرو

آخر میں ہے آہستہ رَو سرما کی فوج بیکراں
باراں و برف و باد و برق اسباب آرام ارمغاں
توشے لباس گرم کے ڈھیروں سمور و شال ہیں
لاکھوں ہیں کمبل لوئیاں اور لاغذ و مالی ہیں
راتیں "الف لیلہ" کی ہیں - ساز و طرب کی محفلیں
لہو و لعب کی مجلسیں - علم و ادب کی محفلیں

فوّارے چائے گرم کے۔ یاد آم و گلقند و عسل
پھر کانگڑی محبوبۂ گرم التفات اندر بغل
بس یہ سواری ختم ہے اور برف باری ختم ہے

کشمیر کے دیدار سے فرحاں ہوں کہ شادماں
فرطِ مسرّت سے ہے یوں شکّر زباں گوہر فشاں
لبّیک اے کشمیر! ہم حاضر ہیں خدمت کے لئے
شوقِ زیارت کھینچ کر لایا ہے راہِ دور سے
اے مایۂ نازِ جہاں۔ فردوس بر روئے زمیں!
تاجِ سرِ ہندوستاں۔ زہے خیر و مرحم آفریں!
رضواں کی اے دخت حسیں! ہمشیرۂ باغِ ارم!
افرنگ را گر دیدہ ام۔ بسیار خیاباں دیدہ ام
اما تو چیزے دیگری "این حُسن۔ آن صنعتگری!
تحقیق کہ وہم زیں بیش۔ کشمیر و بس باقی ہوس!

البتو کرے بچے ترے پھولیں پھلیں آباد ہوں!
کم ظرف و کوتہ بیں نہ ہوں۔ آزاد ہوں دلشاد ہوں!
کاہل نہ ہوں مُسرف نہ ہوں۔ دلدادۂ تزئیں نہ ہوں
اس دور کی تقلید سے ملحد نہ ہوں۔ بے دین نہ ہوں!
ہندو و مسلم ہو رہیں شیر و شکر یک جا بہم
راہِ عقیدت پر سدا سرکار کی ثابت قدم
سب دیس کی سیوا کریں۔ سب دیس کا ہی دم بھریں!
آکاش بین کہتے ہیں کیا؟ سننا ذرا استو تتھا!
استو تتھا۔ ایسا ہی ہو۔ میں نے کہا تم بھی کہو

۲۰۔ سرو چراغانِ محبّت

یارب! تری رحمت ہے نگہبانِ محبّت
قدرت تری پیراکُن سامانِ محبّت

پیاری مجھے لگتی ہے محبّت کہ ازل میں
تو آپ ہوا سلسلہ جنبانِ محبّت

ان بچّوں پہ بندوں عنایت کی نظر ہو
جو باندھتے ہیں آج یہ پیمانِ محبّت

بیضا ہوئے برا بن تو پر بھا اُسکی ضیا ہے
مہتاب ہے یہ۔ وہ مہِ تابانِ محبّت

دلجو ہے ادھر تو گلِ بستانِ نکوئی
دلدادہ اُدھر بلبلِ خوشخوانِ محبت

دل جوش سے لبریز نگاہوں میں حیا ہے
وہ شانِ محبت ہے تو یہ جانِ محبت

ماں باپ جو دیتے ہیں دعائیں متواتر
اولاد پہ ہے رحمتِ بارانِ محبت

آنکھوں سے ٹپکتے ہیں جو آنسو شفقت کے
انمول ہیں یہ گوہرِ غلطانِ محبت

جو پھول دعا کے وہ کرتے ہیں نچھاور
ہیں بیش بہا لعلِ بدخشانِ محبت

اربابِ بصر کے لئے ملنا یہ دلوں کا
توحید کا مضموں ہے یہ عنوانِ محبت

ہر شعر میں از بسکہ محبت کی جھلک ہے
یہ نظم ہے اک سرو چراغانِ محبت

٢١۔ راز دان پنڈت کا ناتا (مذاقیہ)

قرۃ العینِ نورچشم کی شادی!
حبذا جشنِ خانہ آبادی!

نُوشاہ ہے رازداں کا نورِ بصر
ماہ پنڈت کی پیاری شہزادی!

مسلکِ علم کے یہ راہ نما
وہ طریقِ رفاہِ عام کے ہادی

نرمیٔ دل یہاں زرِ خالص
عزمِ راسخ وہاں ہے فولادی

رنگ و روغن ہے ان کا زینتِ عام
سادگی اُن کی سنگ بنیادی

یہ ہیں ممتاز زر فشانی میں
فطرتاً بذل و جود کے عادی

وہ ہیں بالانشین بحکم مثل[1] | اُن کی دولت ہے زندگی سادی
ان کے ہاں مل گئی کھلے دل سے | سیف کے قیدیوں کو آزادی
اُن کے ہاں میٹھے بول بنتے ہیں | دیکھئے تو سخن کی قنادی
فلکِ پیر کو یہ بزمِ طرب | دیکھ کر یاد آئے گی دادی
قابلِ داد ہے یہ طرزِ غریب | سال تاریخ خانہ آبادی

خیر و خیرات سے شمار کرو
درمیاں جس کے پائے بخل نہ ہو[2]

۲۰ - وفاتِ مونس

نالہ اب کے غم میں دراز کار ہے | دردِ بے درمان گلو افشار ہے
شکوۂ بے مہری یاراں نہیں | وائے حسرت! ماتمِ غمخوار ہے
وار دل پہ ہو چکے ہیں بارہا | اب کی یہ برچھی جگر کے پار ہے
خون میری رگ رگ میں ہے زہرآب نیش | دم مرے سینے میں اک سوفار ہے

---

[1] مثل ہے کہ کم خرچ بالانشین ہے۔

[2] خیر و خیرات = ۲۰۲۷ - پائے بخل = ل = ۳۰ : ۲۰۲۷ - ۳۰ = سمت ۱۹۹۷ تاریخ ہے۔ مطلب ہے کہ خیر و خیرات میں بخیلی کا پائے درمیان نہ ہونا چاہیے۔

مجھ سے چھٹتا ہے وہ جسکے ہجر میں
غم سے چھٹنا لمحہ بھر دشوار ہے

خشک تر خواب آلودہ نومیدِ کشاد
ہائے! اب وہ نرگسِ بیدار ہے

جابجا خم مثلِ شاخِ خشکِ تاک
اب وہ رشکِ سروِ شالا مار ہے

الجھنوں کا ڈھیر اک خاکستری
نوحہ خوانِ موئے عنبر بار ہے

اس خرابی میں نہیں آتا یقیں
کیا یہی وہ جنتِ دیدار ہے؟

جس کے یوں بیکار ہیں اعضا تمام
کیا یہی وہ شوخِ شیریں کار ہے؟

جس پہ یہ کالی گھٹا کی ہے نقاب
کیا یہ وہ محبوبِ مہ رخسار ہے؟

یوں نہیں لیتے ہیں معصوموں کی جاں
اے اجل! مانا کہ تو لاچار ہے

جان لے پر حسن کو غارت نہ کر
اس کے حق میں رحم کچھ درکار ہے

یوں تو ہم ہیں یک قلم حرفِ غلط
ہرک ہر جا رس غلط بردار ہے

پر مٹا دینے سے پہلے اس قدر
کیوں رگڑنے پر اُسے اصرار ہے

اے فلک! اس نے بگاڑا کیا ترا؟
کس لئے یوں درپئے آزار ہے؟

یہ گلِ خوشبوئے بستانِ وفا
چشمِ بد بیں میں تری کیوں خار ہے؟

کیا کمالِ حسن کا ہے یہ مآل
یا ثمر ہائے خوبئ کردار ہے؟

اس کے انعام و کرم سے بہرہ یاب
جو نہ تھا وہ کونسا حقدار ہے؟

کون ہے جو مر نہ جاتا اس کے ساتھ؟ لیکن اس میں کیا بشر مختار ہے؟
مرگ جب ہو چارۂ دردِ فراق مر نہ سکنا بھی خدا کی مار ہے؟
آسماں بے حس ہے یا بے اختیار آہ بے معنی۔ پکار بیکار ہے؟
یادگارِ سال ہی ثابت! ہتا کچھ جو باقی طاقتِ گفتار ہے
مونس غمخوار تھا جو چل بسا
سالِ رحلت "مونسِ غمخوار" ہے سموت ۲۰۰۳

۱- بنام ل

خاکے بعنایت صبا یافت در رہگذر فرشتہ جا
پیوستہ بپائے آں فلک سیر مے بالد و مے رود ببالا
لرزد ہم ازانکہ بر بلندی افتاندہ شود ازاں کفِ پا
افتد بہ مقامِ خویش و دیگر زیں جا کہ رساندش بآں جا؟

۲- بنام ا- و

شب اے مہ! برتو و یاراں دیدہ باشی ہیچ دانستی
کہ ما را خندہ و ہم گریہ بر خوئے تو مے آید

سُر ربع المسیری و ہم سرد مہری بس عجب دارم
کہ در ریائے دلم شب ہا چرا سوئے تو می آید

۳۔ بنام وزیر (غ)

گفتنی ہا بر لب داریم
شکوہ بر لب ولے نمے آریم

جُرم الفت زِ بسکہ سنگین ہست
گر عقوبت کند سزاواریم

سطوتِ او چو مانع عذر است
بے گناہیم و پُر گنہگاریم

رخصت گریہ گر دہی مارا
پیش پائے تو لالہ ہا کاریم

"اے کہ شاہ آں کند کہ تو گوئی!
از تو چشم عنایتے داریم

رُستہ از گلبنِ تو ایم اے گل!
گرچہ برگیم یا ہمہ خاریم

تا ہوائے طواف در سر ماست
ہمہ گہ تا بنیم۔ سیاریم

۴۔ ایضاً (غ)

چہ عجب اگر زیادت برود چہ من گدائے
عجب اینکہ مے شناسی نتب تاب بینوائے

غزلے وحسب حالے کہ بخون دل نوشتم
زغرض پُر است گیرم - چو سلام روستائے
ہمہ حاجتیم و دانی کہ پئے سلام رفتن
بحصولِ مدّعائے زدن است و دست و پائے
زنیاز مندی آدم بخدا سجود دارد
اگر احتیاج نبود چہ ضرورت خدائے؟
ز درم برِ اند سلطان دگرم چہ کار باشد؟
ہمہ شب شمردن اختر - ہمہ روز ہوی ہائے
ہم ازیں دو شغل رنجم کہ دلِ شکستہ ام را
نہ ز اختراں امیدے - نہ ز نالہ مدّعائے
نہ زمین تشنہ تابت! کہ بہ ابر باز گوید؟
تو و دیر فلک پدیدن - من و آہ نارسائے

۵- بخشی و تاریخ زناربندی

بخشی کہ شدہ بہ عون تقدیر دیوانِ وزیر راست تدبیر

از زمرۂ مقبلانِ قوم است — وز دودۂ مالکانِ تحریر
با آنکہ چو بخت خود جوان است — پیراست بعلم و حلم و توقیر
کردہ است ہنود و مسلمیں را — از حسنِ سلوک شکر و شیر
بسیار کساں بلطف بنواخت — بعضے بکمالِ حسنِ تقریر
آں یادگہ "تخیل انیۂ" ما — از سایۂ خود شود جہانگیر!
قصرے چو عروس نو مجلّٰے — با صحن و بغیچہ کردہ تعمیر
اکنوں پسرش بہ بیت زنّار — بر مسلکِ ہندوانِ کشمیر
قفل از سر نوٹ ٹکس برخاست — وز پائے طلا فتاد زنجیر
تاریخ ستودہ کارہائش — از "تختیِ نیک بخت" برگیر

سموت ۱۹۹۴

۶ - تاریخ عروسیٔ فرزند

نورِ چشمی عزیز نیک شعار — کتخدا شد بہ طالعِ بیدار
مولئے یافت گوبہ مہر و وفا — راہ دہکار است گویا او بار
بہرِ تاریخ بر سبیلِ دعا — گفتم "از دولت باش برخوردار"!

سموت ۱۹۹۴

۷۔ ایضاً (فرزند بنگر)

برشاخِ سرو قمری ہے بندد آشیانہ
بشگفت باغ ورقصاں سرو و صنوبر آمد
دستے دراز کردہ و لعلِ گراں بہا بُرد
گوہر شناس بنگر۔ فرزند بنگر آمد
عشرت زہر دو جانب از بسکہ رو نمودہ
"تاریخ عیسوی ہم "عشرت مکرر آمد"
سنہ ۱۹۴۰ء

۸۔ تاریخ پیدائشِ دختر

بہ ماہِ[1] ہے کش کتابِ[2] وحی آیات | وُبھوتی خواند یعنی جلوۂ ذات
چو ماہِ نو بہ مغرب شد نمودار[3] | مہ گردد زنِ عصمت کرد او تار

---

[1] ماہ مارگ شرس یعنی گھر۔ [2] بھگوت گیتا ادھیائے ۱۰۔
[3] دوج شکلہ پکش۔

نگہ شد خیرہ از حسنِ تمامش
از آں شہری سنذری کرد نامش،

گرامی دُخت بانوئے[1] دو عالم!
رگرا یارا کہ از وصفش زند دم؟

دلش کیلاس عشق و گریہ و راز،
رخش فردوس حسن و خندہ و ناز

دلش از جوگ[2] دَرہا باز کردہ
رخش جان پروری ہا ساز کردہ

چو آمد در وجود از خلوتِ راز
شمارِ سموت آمد جوگ[3] در ساز"

۹ - سروجیراغانِ محبّت (بقیہ)

امسال بمن با دِلِ پر نور بزرگے
فرمود "خوشا وقت گدایانِ محبت"

سموت ۱۹۹۹

بے قلبِ[4] یا از پہ الفاظِ دگر نیز
فرمود "خوشا وقت فدایانِ محبت"!

سموت ۱۹۹۹

---

[1] راگیا دیوی [2] نفر [3] فقر و مسکنت با وجود سامان عیش و عشرت بحساب ابجد جوگ = ۲۹ ساز = ۶۸
∴ ۲۹ × ۶۸ = ۱۱۷۲ بکرمی +

[4] ۲ دل پ ر ن و ر یعنی ن = ۵۰ جمع۔

[5] بے قلب ر ی ا یعنی ے = ۱۰ منفی۔

گفتم چہ بود ذریں عزیزاں بہ چنیں سال
گفتا "ادب فرض شناسانِ محبت"
سموت ۱۹۹۹

گفتم بہ قبے ایں سال سعید است و مبارک
خندید کہ "از فیضِ شگرفانِ محبت"!
سموت ۱۹۹۹

اعجازِ محبت نگر بد اینکہ باایں عمر
شد ثابت ما باز غزل خوانِ محبت!

۱۰ - سفرِ عمر

ایں سفر را منتہا بہ سفر یافتہ ام
دردِ الفت ہمگی سود سفر یافتہ ام
آہ ازیں لیل و نہارے کہ نصیب من شد!
روزش از شب شبش از روز بتر یافتہ ام
مادرِ مشفقِ من رفت بہ طفلی ز سرم
شعلہ زندگی از شمع سحر یافتہ ام

به شبابم زده رنجوری و مرگِ پدرم
آتشے کش تبر از نارِ سقر یافته ام
چوں به پنجاه رسیدم پسرم رحلت کرد
زخمِ دل نا شده به داغِ جگر یافته ام
سال را دیده ام از روئے حسابِ ابجد
"حاملِ زخمِ دل و داغِ جگر" یافته ام
سموت ۱۹۹۴

گرچه بسیار ندادند به نبیرم توفیق
خیرے ار گاه ز من سر زده شر یافته ام
بجز از بلغم و سودا، نمِ چشم و دمِ گرم
نیست چیزے که ازیں شمس و قمر یافته ام
فیضِ اخلاص تنے چند ز اہلِ درد است
در خورِ حمد و ثنا چیزے اگر یافته ام
ور ازیں سیرِ مجازی به حقیقت نگرم
زانچه ادیانِ سکون است خبر یافته ام

آنچہ برتر بود از خیر و شر و بیم و رجا
و آنچہ ایمن بود از نفع و ضرر یافتہ ام
از غبار تن و خاشاکِ زمیں۔ گر خواہم
بہ فلک بر پرم۔ الحمد کہ پر یافتہ ام
تا بت ارمیل پریدن کند از قیدِ قفس
نے تو انم بدرش برد کہ در یافتہ ام

۱۱- وفاتِ نرائن

نرائن جستم ازیں دنیائے دوں لیست
بہ ناپرندانِ غم بسپرد و خود رست
چہ گویم تیرِ دلدوزِ قضا اش
جہانے را از غمخواراں جگر خست!
بہ قول و فعل درویشے غنی بود
چہ درویشے کہ ہم ہشیار و ہم مست

بہشت ازیں دوزخ آلام وچوں برق
بدادِ عافیت برشد بہ یک جست
چو نارا این کلم آمد درنیا زار
صدف تا در تہہ دریا گہر بست
چنیں گوہر فلک گوئی چرا ساخت؟
کہ چوں برقے دمے بنمود و بشکست
گلِ رنگیں چرا انگیخت از خاک
کہ تا یک خندہ زد با خاک پیوست؟
نمے دانم حدیثِ نامہ دہر
ہمے بینم کہ عنوانش تجو نست"
دریں دیرانہ یا صید است یا دام
دریں گرداب یا ماہی است یا شست
بہ بزمے فرد اگر بنشست برخاست
ز راہے گرد اگر برخاست بنشست

تنے چوں بدرِ اگر تا بد لکاہد — قدے چوں سرو اگر بالد شود پست
تباہی را چرا دورے دہد راہ؟ — "خداوندے اگر ایں خانہ را ہست"
بیا تا بت نشود شکوہ گستاخ — مدہ سر رشتۂ تسلیم از دست
گذر لازم بود کاروان را — سفر رسمِ قدیم کاروانست
پئے تاریخ ہندی (عیسوی نیز) — نوا برکش۔ بگو "رخت سفر بست"

نوا = ۵۷ :: ۲۰۰۲ - ۵۷ = ۱۹۴۵ء

رخت سفر بست بسموت ۲۰۰۲

۱۲ - وفات پرتھوی ناتھ

پرتھوی کہ ازیں جہاں برنجید — بشگفت گلے و لے نخندید
با حسنِ لطیف عشق مے باخت — از عیشِ کثیف چشم پوشید
حالِ دل خود نہ گفت با کس — احوال جہاں ز کس نہ پرسید
لب بستہ بخویش گفتگو داشت — از فہم کساں گسستہ امید
چوں راہ بہ عالمِ دگر یافت — رخت خود ازیں خرابہ برچید
زاں طبع لطیف برنخوردیم — ما گم شدگانِ راہ تقلید
افسوس کناں سخنورے گفت — مضموں "شگفت بود برمید"
سموت ۲۰۰۲

۱۳- وفاتِ جنگی (بعمر ۱۳ سال)

چو آں گلرخ پسر تیر قضا خورد
ہزاراں را بہ تیرِ غم جگر سُفت

گل از باد خزاں ہرز عجب نیست
چہ باد اندر بہار ایں غنچہ را رفت؟

فلک آگہ کش و غافل نواز است
کسے کو بیشتر بیدار شد خفت

ہنر بے نسبتِ سن جست و جاں داد
فضائل ایں جہاں کے میدہد ہفت

بہ بازی چنگ در ریشِ اجل زد
طپانچہ خورد در دے از خلق نہفت

چو شد نومید بلبل (بہر تاریخ)
بگفت "اے وائے! وائے! آں غنچہ نشگفت"!

۱۴- وفات اُستاشش فن (مذاقیہ)

سمبت ۲۰۰۴

فن اوّل

اُستا بجہاں نماند ہے ہے!
واں سرخ و سیاہ مرہم وے

جرّاح و طبیبِ با ہنر بود
بے علم نہ علم با خبر بود

ہر چند کہ او علاجِ ہر درد
از مرہم آں و حُقنہ میکرد

چوں بخت معاونِ ہنر بود
آں بیخ و گیا شفا اثر بود

فن دوم

دل کنج دکانِ بے بضاعت — مے گرد بہ بوریا قناعت
از وسعت آں دکاں چہ پرسی؟ — یک ذرعہ بہ طول و عرض و کرسی!
حقِ خودش آنقدر کہ مے گفت — دانگے کم ازاں نمے پذیرفت
از چرب زبانِ نادہندہ — زر مے طلبید پوست کندہ

فن سوم

فرمانبرِ شرع بود و ملّت — در صوم و صلوٰۃ با طہارت
یک موئے سرے نمے تراشید — بے یادِ خدا و حرف توحید
از صبح نخوردہ ہیچ تا چاشت — تا شام ز چاشت روزہ میداشت
در ختم شریف اگر کسے خواند — در صحبت مومناں کسے ماند
پیری چہ بود کہ در جوانی — در نفس کشی نداشت ثانی

فن چہارم

تا بود بخندہ لب نیالود — از خوفِ خدا و دردِ مردود
تا روز کفن فرا رسیدش — در جامۂ نو کسے ندیدش
دستار بہ دود در نہادے — چوں زرد شدے لبہ نہادے

فن پنجم

مائل نشدے بہ یاوہ گویاں — رو پوش شدے ز خندہ جویاں

قومے کہ زباں دراز باشند | معروف بہ ہمہ ساز باشند
چوں خاک نشینش بدیدند | ناگفتہ سخن از در رمیدند
اے دوست! دریں سرائے فانی | چوں در گذر است زندگانی
در خیر بکوش تا توانی | تا زندہ بنام نیک مانی
آں کس کہ برائے خواب و خور زیست | در ملک چہ او چہ گاؤ و خر زیست

فن ششم

در خدمتِ خلق زیست ایں مرد | خیرے پس از آں بہ وارثاں کرد
چوں سوی بہشت ازینجہاں رفت | نقدے بگذاشت ہفت در ہفت
ایں را چہل و نہ ار بدانی | کم گیری و در غلط بمانی
کیں نقد کثیر در شمار است | بس بیشتر از دو صد ہزار است
بر ذکر علاج و مرہم او | شخصے بگریست در غم او

گفت از پئے سال رحلت وے
...ستا ششش فن نماند ہے ہے
سنہ ۱۳۶۷ھ

ہفت بحساب ابجد = ۴۸۵ ∴ ہفت در ہفت۔ (۴۸۵)

تمام شد